انما انا قاسم واللہ یعطی

حجۃ الاسلام

سنہ ۱۳۵۹ھ

از افاضات

حجۃ اللہ علی العالمین شیخ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب انار اللہ برہانہ

باضافۂ عنوانات

شیخ الہند حضرت مولانا و مرشدنا محمود الحسن قدس اللہ سرہ

جس کو

مولوی سید احمد مالک کتبخانہ اعزازیہ دیوبند نے

اپنے

کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ضلع سہارنپور سے شائع کیا

قیمت آٹھ آنہ (۸)

ملنے کا پتہ: کتبخانہ اعزازیہ دیوبند (یوپی)
ہر قسم کی درسی و غیر درسی عربی فارسی اردو کتب
و ہر قسم کے قاعدے بارزو تصنیفات علمائے دیوبند

فہرست مضامین حجۃ الاسلام طبع جدید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الرسل وخاتم النبیین وعلیٰ اٰلہ
واصحابہ واتباعہ واحبابہ وعلماء امتہ الواصلین الیٰ مدارج الحق والیقین ؕ
بندۂ محمود حمد وصلوٰۃ کے بعد طالبان معارف الٰہیہ اور دلدادگان اسرار ملت حنیفیہ کی خدمت میں عرض کرتا
ہے کہ ۱۸۷۶ء میں پادری نولس صاحب اور منشی پیارے لال صاحب ساکن موضع چاندپور متعلقہ
شاہجہاں پور نے باتفاق رائے جب ایک میلہ بنام میلہ "خداشناسی" موضع چاندپور میں مقرر کیا
اور اطراف وجوانب میں اس مضمون کے اشتہار بھجوائے کہ ہر مذہب کے علماء آئیں اور اپنے اپنے مذہب
کے دلائل سنائیں۔ تو اس وقت معدن الحقائق مخزن الدقائق مجمع المعارف مظہر اللطائف جامع الفیوض
والبرکات قاسم العلوم والخیرات سیدی ومولائی حضرت مولانا مولوی "محمد قاسم" متعنا اللہ تعالیٰ
بعلومہ ومعارفہ نے اہل اسلام کی طلب پر میلہ مذکور کی شرکت کا ارادہ ایسے وقت مصمم فرمایا کہ تاریخ مباحثہ یعنی
۷ مئی سر پر آگئی تھی چونکہ یہ امر بالکل معلوم نہ تھا کہ تحقیق مذاہب اور بیان دلائل کی کیا صورت تجویز کی گئی ہے
اعتراضات وجوابات کی نوبت آئیگی یا زبانی اپنے اپنے مذہب کی حقانیت بیان یا بیانات تحریری ہر کسی کو
پیش کرنے پڑینگے۔ تو اسی لئے بنظر احتیاط حضرت مولانا قدس اللہ سرہٗ کے خیال مبارک میں یہ آیا کہ ہر ایک
تحریر جو اصول اسلام اور فروع ضروریہ بالخصوص جو اس مقام کے مناسب ہوں سب کو شامل ہو حسب قواعد
عقلیہ منضبط ہونی چاہئے جسکی تسلیم میں عاقل منصف کو کوئی دشواری نہ ہو اور کسی قسم کے انکار کی گنجائش نہ ملے چونکہ
وقت بہت تنگ تھا اسی لئے نہایت عجلت کیساتھ غالباً ایک روز کامل اور کسی قدر شب میں بیٹھکر ایک تحریر جامع
تحریر فرمائی جلسہ مذکورہ میں تو مضامین مندرجہ تحریر مذکورہ کو زبانی ہی بیان فرمایا اور دربارۂ حقانیت
اسلام جو کچھ بھی فرمایا وہ زبانی ہی فرمایا۔ اور اسی لئے تحریر مذکور کے سنانیکی حاجت اور
نوبت ہی نہ آئی چنانچہ مباحثہ مذکور کی جملہ کیفیت بالتفصیل چند بار طبع ہو کر
شائع ہو چکی ہے۔ مگر جب اس مجمع سے بحمد اللہ نصرت اسلام کا پھریرا اڑاتے ہوئے حضرت مولانا المعظم واپس
تشریف لائے۔ تو بعض خدام نے عرض کیا کہ تحریر جو جناب نے تیار فرمائی تھی اگر ہمت ہو جائے۔ تو اس کو
مشتہر کردینا نہایت ضروری اور مفید نظر آتا ہے۔ یہ عرض مقبول ہوئی اور تحریر مذکور متعدد مرتبہ طبع ہو کر اس

وقت تک تسکین بخش قلوب اہل بصیرت اور نور افزائی دیدہ اولی الابصار ہو چکی ہے۔ اور مولانا مولوی فخر الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے مضامین کے لحاظ سے اس کا نام حجۃ الاسلام تجویز فرما کر اول بار شائع فرمایا تھا جسکی وجہ تسمیہ دریافت کرنیکی کم فہم کو بھی حاجت نہ ہوگی۔ اُس کے بعد چند مرتبہ مختلف مطابع میں چھپکر وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہی۔ صاحبان مطابع اس عجالۂ مقبولہ اور نیز دیگر تصانیف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اشاعت دیکھکر صرف بغرض تجارت معمولی طور پر اُن کو چھاپتے رہے۔ کسی زائد اہتمام کی حاجت ان کو محسوس نہ ہوئی۔ اسلئے فقط کاغذ اور لکھائی اور چھپائی ہی میں کوتاہی نہیں ہوئی بلکہ تصحیح عبارت میں بھی نمایاں خلل پیدا ہو گئے۔ اس حالت کو دیکھکر کفش برداران قاسمی اور دلدادگان اسرار علمی کو بے اختیار اس امر پر کمربستہ ہونا پڑا کہ صحت خوشخطی وغیرہ تمام امور کا اہتمام کرکے اس عجالۂ مقدسہ کو چھاپا جائے۔ اور بغرض توضیح حاشیہ پر ایسے نشانات کردیئے جائیں جس سے تفصیل مطالب ہر کسی کو بے تکلف معلوم ہو جائے۔ اور جملہ تصانیف حضرت مولانا نفع اللہ المسلمین بفیوضہ کو اسی کوشش اور اہتمام کے ساتھ چھاپ کر اُن کی اشاعت میں سعی کی جائے۔ واللہ ولی التوفیق +

اس تحریر کی نسبت حضرت مولانا کی زبان مبارک سے یہ بھی سنا گیا کہ جو مضامین تقریر دلپذیر میں بیان کرنیکا ارادہ ہے وہ سب اس تحریر میں آگئے۔ اُس قدر تفصیل سے نہ سہی بالاجمال ہی سہی،، ایسی حالت میں تقریر دلپذیر کے تمام ہونیکا جو قلق شائقان اسرار علمیہ کو ہے اُسکے مکافات کی صورت بھی اس رسالہ سے بہتر دوسری نہیں ہو سکتی، اب طالبان حقائق اور حامیان اسلام کی خدمت میں ہماری یہ درخواست ہے کہ تائید احکام اسلام اور مدافعت فلسفۂ قدیمہ وجدیدہ کے لئے جو تدبیریں کی جاتی ہیں اُن کو بجائے خود رکھکر حضرت خاتم العلماء کے رسائل کے مطالعہ میں بھی کچھ وقت ضرور صرف فرماویں اور پورے غور سے کام لیں اور انصاف سے دیکھیں کہ ضروریات موجودہ زمانہ حال کیلئے وہ سب تدابیر سے فائق اور مختصر اور بہتر اور مفید تر ہیں یا نہیں۔ اہل فہم خود اس کا تجربہ کچھ تو کرلیں، میرا کچھ عرض کرنا اسوقت غالباً دعویٰ بلا دلیل سمجھکر غیر معتبر ہوگا اس لئے زیادہ عرض کرنیسے معذور ہوں، اہل فہم و علم خود موازنہ اور تجربہ فرمانے میں کوشش کرکے فیصلہ کرلیں باقی خدام مدرسۂ عالیہ دیوبند نے تو یہ تہیہ بنام خدا کرلیا ہے کہ تالیفات موصوفہ مع بعض تالیفات حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ وغیرہ تصحیح اور کسیقدر توضیح و تسہیل کیساتھ عمدہ چھاپکر اور نصاب تعلیم میں داخل کرکے اُنکی ترویج میں اگر حق تعالیٰ توفیق دے تو جان توڑ کر ہر طرح کی سعی کیجائے۔ اور اللہ کا فضل حامی ہو تو وہ نفع جو انکے ذہن میں ہے اور ونکو بھی اسکی جمال سی کامیاب کیا جائے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

؎ کیا فائدہ فکر بیش وکم سے ہوگا، ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا، جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے

جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ⁂

تمہید | اے حاضران جلسہ یہ کمترین اور آپ صاحب بلکہ تمام بنی آدم اوّل سے ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اسی لئے ہرکسی کے ذمہ ایک دوسرے کی خیرخواہی لازم ہے اور دوسروں کے مطالب اصلیہ کے بہم پہنچانے میں کوشش کرنی سب کے ذمہ ضرور ہے مگر جیسے آنکھ ناک کا مطلب اصلی دیکھنا سونگھنا اور زبان کان کا مطلب اصلی بولنا سننا ہے ایسے ہی ہر بنی آدم کا مطلب اصلی اپنے خالق کی اطاعت ہے۔ وجہ اس مشابہت کی یہ ہے کہ جیسے آنکھ ناک، زبان وغیرہ دیکھنے سونگھنے سننے بولنے کے لئے بنائی گئی ہیں ایسے ہی بنی آدم بھی خدا کی اطاعت کے لئے بنائے گئے ہیں ⁂۔

انسان اشرف المخلوقات ہے | شرح اس کی مجھ سے سنئے زمین سے لیکر آسمان تک جس چیز پر سوائے انسان کے نظر پڑتی ہے وہ انسان کے کار آمد نظر آتی ہے۔ پر انسان ان میں سے کسی کے کام کا نظر نہیں آتا۔ دیکھئے زمین پانی۔ ہوا۔ آگ۔ چاند سورج ستارے اگر نہ ہوں تو جینا محال یا دشوار ہو جائے۔ اور ہم نہ ہوں تو اشیاء مذکورہ میں سے کسی کا کچھ نقصان نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس درخت جانور وغیرہ مخلوقات اگر نہ ہوتے تو ہمارا کچھ نہ کچھ حرج ضرور تھا۔ کیونکہ اور بھی کچھ نہیں تو یہ اشیاء کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی مرض ہی کی دوا ہو جاتی ہیں، پر ہم کو دیکھئے کہ ہم ان کے حق میں کسی مرض کی دوا نہیں، مگر جب ہم مخلوقات میں سے کسی کے کام کے نہیں تو بالضرور ہم اپنے خالق کے کام کے ہونگے ورنہ ہماری پیدائش محض فضول اور بیہودہ ہو جائے جس سے خالق کی طرف بیہودہ کاری کا الزام عائد ہو اور ہماری طرف نکمّے ہونے کا عیب

راجح ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ کوئی عاقل اُن کو تسلیم نہیں کر سکتا۔
اور کیونکر تسلیم کریجئے بدلالت آثار و کاربار انسانی انسان کی افضلیت اور مخلوقات پر
خصوصاً جمادات نباتات حیوانات وغیرہ اشیائے معلومہ محسوسہ پر ایسی طرح
روشن ہے جیسے خوبصورتوں کا بدصورتوں پر صورت میں افضل ہونا اور خوش آوازوں کا
بدآوازوں سے آواز میں افضل ہونا اور خوش فہموں کا بدفہموں سے فہم میں افضل ہونا ظاہر
و باہر ہے۔ پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ اور سب چیزیں تو کام کی ہوں اور انسان نکمّا ہو
اور اشیاء اگر انسان کے کام میں آتی ہیں تو انسان بے شک خدا کے کام کا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا

علاوہ بریں سب صاحبوں سے پوچھتا ہوں یہ تو غلط نہ ہو کہ
آگ جلایا ہی کرتی ہے بجھاتی نہیں، اور پانی بجھایا ہی کرتا
ہے جلاتا نہیں۔ اور یہ غلط ہو جائے کہ حکیم علی الاطلاق حکمت ہی کے کام کیا کرتا ہے کوئی
بیہودہ کام نہیں کرتا بے شک جیسے آگ جلاتی ہی ہے بجھاتی نہیں۔ ایسے ہی حکیم
علی الاطلاق بھی حکمت ہی کے کام کرے گا بیہودہ کام اس سے سرزد نہ ہونگے۔
پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ انسان کو محض فضول بنایا ہو اس کے بنانے میں کوئی
حکمت نہ ہو یعنی اس کے بنانے میں کوئی نتیجہ مقصود ملحوظ نہ ہو محض نکمّا ہی ہو۔ ہاں
اگر خالق کا حکیم ہونا قابل تسلیم نہ ہوتا تو البتہ کچھ مضائقہ نہ تھا مگر اس کو کیا کیجئے کہ اُسکی
بندے جو اس کی مخلوق ہیں اور اُن میں جو کچھ ہے وہ سب اُسی کا دیا ہوا
ہے۔ بڑے بڑے حکیم ہوتے ہیں۔ وہ اگر حکیم نہ ہو۔ تو پھر اُن میں حکمت کے
آنیکی کوئی صورت نہیں چنانچہ انشاء اللہ عنقریب مضمون دل نشین ہوا چاہتا ہے۔

افعال ارادیہ غرض سے خالی نہیں ہوتے

مگر جب یہ بات ٹھہری کہ پیدائش انسانی حکمت سے خالی نہیں تو اُس کے یہ ہی معنے ہونگے کہ اس کو کسی کام کے لئے بنایا ہے۔ سو سوا خدا کے اور تو یہ کسی کے کام کا ہو نہیں سکتا چنانچہ ابھی واضح ہو چکا ہے ہو نہ ہو خدا ہی کے کام کا ہو گا۔ ہاں اگر انسان کسی کا مخلوق نہ ہوتا تو البتہ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ حکمت بمعنی غرض تو اسی چیز سے متعلق ہو سکتی ہے جو بنائی ہوئی ہوتی ہو وہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس شئے کو اس مطلب کیلئے بنایا ہے۔ ورنہ جو کسی کی بنائی ہوئی نہ ہو۔ کسی کا ارادہ اس کے بنانے میں مصروف نہ ہوا ہو۔ کسی کی توجہ اس طرف نہ ہوئی ہو۔ جیسے خود خداوند عالم، وہاں غرض اور مطلب کی گنجایش نہیں۔ گو سب کی مطلب برآری اور کاروائی اُسی سے متعلق ہو مگر اس کو کیا کیجیے کہ بنی آدم کے مخلوق ہونے پر خود اسی کی ذات وصفات کی کیفیت بزبان حال گواہ ہے۔ چنانچہ عنقریب انشاءاللہ تعالیٰ یہ عقدہ کھلا چاہتا ہے:

انسان کا اطاعت خداوندی سے محروم رہنا اس کی کم نصیبی ہے گو اس میں کتنے ہی کمالات ہوں

الحاصل مطلب اصلی اس کی پیدایش سے یہ ہے کہ یہ خدا کے کام آئے اور کسی اور کام میں مشغول نہ ہو ورنہ پھر یہ تو احتمال ہی نہیں کہ مطلب اصلی سے اعلیٰ کام اس سے نکلے ورنہ وہی مطلب اصلی ہوتا۔ اسلئے اس وقت اس کی مثال ایسی ہو جائیگی جیسے فرض کیجئے کپڑا بنایا تھا پہننے کے لئے مگر پہننے کے عوض جلا کر روٹی پکا لیجیے ظاہر ہے کہ یہ بات کپڑے کے حق میں از قسم کم نصیبی ہوگی ایسے ہی انسان بھی اگر اس مطلب اصلی سے محروم رہے جو اصل غرض اسکی پیدایش سے تھی تو اس کی کم نصیبی میں کیا کلام ہوگا۔

انسان کی فرمانبرداری سے انسان ہی کو فائدہ ہے نہ حق تعالےٰ کو

مگر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کا کسی بات میں

محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں۔ چنانچہ بدلائل یہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ ثابت ہوا چاہتا ہے۔ تو اس کا کام بجز اطاعت و فرمانبرداری اور کچھ نہ ہوگا۔ اور اس کو فرماں برداری کا نتیجہ بجز نفع بنی آدم اور کچھ نہ ہوگا یعنی جیسے مریض کے حق میں اطاعت طبیب اور اس کی فرماں برداری اسی کے حق میں مفید ہے طبیب کے حق میں مفید نہیں ایسے ہی خدا کی اطاعت بندہ کے حق میں اسی کی نسبت مفید ہوگی خدا کی نسبت کچھ مفید نہ ہوگی اور یہ بھی نہ ہوگا کسی کے حق میں مفید نہ ہو ورنہ پھر وہی بیہودہ کاری کا الزام لازم آئیگا بہرحال بندہ اطاعت خدا کے لئے ہے۔ اور اس اطاعت کا نفع اسی کو ہے اس لئے اطاعت خود بندہ کے حق میں مطلب اصلی ہوگی۔

اپنا پہچاننا خدا کے پہچاننے پر موقوف ہے

علاوہ بریں عقل ہر چیز کی حقیقت کے پہچاننے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور قدرت بشری وغیرہ کو اس لئے بنایا ہے کہ حسب ہدایت عقل کام کیا کرے۔ اور ظاہر ہے کہ سب میں اول لائق شناخت و علم خداوند عالم ہے کیونکہ سب حقائق اسی کی وجہ سے ایسی طرح تاباں ہوئی ہیں جیسے فرض کیجئے آفتاب سے دھوپ چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ واضح ہوا چاہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دھوپ کی حقیقت اس سے زیادہ اور کیا ہی کہ وہ ایک پرتوۂ آفتاب ہی مگر چونکہ سب میں اول اپنی ذات کا علم ہوتا ہے اور اپنی حقیقت اسکا ایک پرتوہ ٹھہرا تو بیشک اپنا پہچاننا اور علم اسکی پہچان اور اسکے علم پر موقوف ہوگا

اطاعت خداوندی انسان کے لئے مقتضائے طبعی ہے

اگر خدا کی معرفت میں کم سے کم یہ تو ضرور رہی ہوگا کہ اس کو غنی اور بے پروا اور اپنے آپ کو اسکا محتاج سمجھے مگر یہ بات ہوگی تو بالضرور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ایک طبعی بات اور مقتضائے دلی ہوگا اور

سوا اُس کے جو کام ایسا ہو کہ خدا کی اطاعت اس پر ایسی طرح موقوف ہو جیسے روٹی کا پکنا مثلاً آگ لکڑی توے کونڈے وغیرہ پر تو وہ طاعت ہی کے حساب میں شمار کیا جائیگا۔ اور مثل اشیاء مذکورہ جو کھانے کے حساب میں شمار کیجاتی ہیں اس کام کو طاعتِ خدا کے حساب سے خارج نہ کر سکیں گے اور سوا اُسکے اور جو کام ہو گا وہ سب اس کارخانہ سے علیحدہ سمجھا جائیگا۔ اور اس لئے بوجہ فوت مقصود مذکورہ وہ کام آدمی کے حق میں از قسم کم نصیبی اور بدبختی شمار کیا جاوے گا۔

گمراہی کے دو سبب ہیں غلطی اور غلبۂ خواہش

مگر اس بدبختی کا سبب کبھی غلطی ہوتی ہے۔ اور کبھی غلبۂ خواہش۔ تو میری ذمہ بوجہ خیر خواہی جسکا ذکر اوپر ہو چکا یہی لازم ہو کہ غلطی والونکو غلطی سے آگاہ کروں۔ اور مغلوبان خواہش کو اپنا شریک مرض سمجھکر فضائل آخرت سمجھاوں اور اُن سے خود اس ترغیب کا امیدوار ہوں مگر چونکہ غلط کار لوگ بمنزلہ اس مسافر کے ہیں جو شہر مطلوب کی سڑک کو بوجہ غلطی چھوڑ کر کسی اور راہ کو ہولے۔ اور مغلوبان خواہش ایسے ہیں جیسے فرض کیجئے شہر مطلوب کی سڑک پر جاتے ہیں پر باد مخالف قدم بدشواری اٹھانے دیتی ہے۔ اس لئے غلطی والوں کے حال پر زیادہ افسوس چاہیئے۔

گمراہونکی ناکامی اور مغلوبان خواہش کی کامیابی کی توضیح بذریعہ مثال

کیونکہ جیسے اس مسافر کی کامیابی کی کوئی صورت نہیں جو سڑک شہر مطلوب کو چھوڑ کر کسی اور سڑک کو ہولیا ہو اگرچہ کیسا ہی تیز رفتار کیوں نہ ہو ایسے ہی اُن صاحبوں کی کامیابی کی کوئی صورت نہیں جو بوجہ غلطی راہ مستقیم خدا کو چھوڑ کر کسی اور راہ ہولئے ہیں۔ اگرچہ وہ کیسے ہی عابد زاہد کیوں نہ ہوں۔ البتہ وہ لوگ جو اوسی راہ کو جاتے ہیں جو خدا تک جاتا ہی پر ہوا و ہوس کے دھکے بدشواری چلنے دیتے

ہیں وہ گو بدشواری پہنچیں پر ایک روز گرتے پڑتے گرم سرد زمانہ چکھتے چکھاتے شہر مطلوب یعنی جنت میں تو پہنچ رہیں گے گو اثناء راہ میں نزع اور عذاب کی تکالیف گونا گوں انکو بھگتنی پڑیں اور انکا ایسا حال ہو جیسا فرض کیجئے مسافر مشار الیہ باد مخالف کی جھوکوں اور دھکوں کے باعث گر پڑ کر چوٹیں کھائے اور سلامت نہ جائے ۔

نجات دین محمدی ہی میں منحصر ہے

اس لئے بنظر خیر خواہی یہ گذارش ہے کہ سوائے دین محمدی کوئی مذہب ایسا نہیں جسمیں عقائد کی غلطیاں باعث ترک رہگذار اصلی جسکو صراط مستقیم کہئے نہ ہوئی ہوں ۔ تعصب مذہبی کو چھوڑ کر اگر اور صاحب غور فرمائینگے تو سب کے سب اسی دین کو اپنے مطلوب اصلی کا راستہ سمجھیں گے ۔ ہاں جنکو فکر آخرت ہی نہ ہوگا اور اُس جنت کی طلب ہی اُسکے دل میں نہ ہوگی جو بمنزلہ شہر مطلوب منزل مقصود ہر عام و خاص ہے تو وہ صاحب بیشک بمقابلہ خیر خواہی کمترین اور الٹے درپے تردید حق ہوں گے اور خود اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں کاٹ لیں گے ۔

رکن اول خیر بہر چہ باداباد عاقل کو اہل عقل سے امید تسلیم حق ہی چاہئے اسلیے یہ گذارش ہے کہ اس دین کے اصول نہایت پاکیزہ ہیں ۔ دو باتوں پر اس مذہب کی بنا ہے ایک توحید جو خلاصہ لا الہ الا اللہ ہے دوسری رسالت جو خلاصہ محمد رسول اللہ ہے سو ان کے اور جو کچھ ہے نہیں دو باتوں کی تفریع و تمہید ہے اول رکن کی توضیح کرتا ہوں بعد ازاں رکن ثانی کو بیان کرونگا ۔

وجود باری

اے حاضرین جلسہ سنو اور غیر حاضروں کو سناؤ کہ ہمارا تمھارا وجود پائدار نہیں نہ ازل سے ہے نہ ابد تک رہتا ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پردہ عدم میں مستور تھے اور پھر اسی طرح ایک زمانہ آنیوالا ہے جس میں ہمارا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ جائیگا یہ وجود و ہستی کا

زوال وانفصال باٰواز بلند کہتا ہی کہ ہمارا وجود ہمارا خانہ زاد نہیں بمستعار ہی یعنی مثل نور
زمین وگرمی آب ہی مثل نور آفتاب وحرارت آتش نہیں مگر جیسے زمین کا نور اور آب گرم
کی گرمی آفتاب اور آگ کا فیض اور اس کی عطا ہی ایسے ہی ہمارا وجود بھی کسی ایسی کا فیض
وعطا ہوگا جس کا وجود خانہ زاد ہو مستعار نہ ہو۔ جیسے آفتاب اور آگ پر نور اور گرمی کا قصہ
ختم ہوجاتا ہے یوں نہیں کہسکتے کہ عالم اسباب میں آفتاب اور آگ سے اوپر کوئی اور ہی جس کے
فیض سے وہ منور اور یہ گرم ہی ایسے ہی ہمارا وجود جسکا فیض ہوگا اوسپر وجود کا قصہ ختم ہوجاویگا
یہ نہ ہوگا کہ اُسکا وجود کسی اور کا فیض ہو۔ ہم اُسی کو خدا اور اللہ اور مالک الملک کہتے ہیں۔

خدا کا وجود اس کی ذات سے کبھی جدا نہیں ہوتا

مگر جب اُسکا وجود اُسی کا ہی کسی اور کا دیا ہوا نہیں تو بیشک اُسکا وجود
اسکے ساتھ ایسی طرح لازم وملازم رہیگا۔ جیسے آفتاب کے ساتھ نور
اور آگ کیساتھ گرمی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آگ ہو اور گرمی نہ ہو آفتاب ہو اور نور نہ ہو ایسے ہی یہ بھی
نہ ہوگا کہ خدا کی ذات ہو اور اس کا وجود نہ ہو۔ بلکہ یہ خیال ہی غلط ہوگا کہ خدا کی ذات ہو اور
اُس کا وجود نہ ہو اسلئے خدا کی ذات کا ہونا بے وجود متصور نہیں ہوتا۔ اس وجود اور موجودیت
ہی کو تو خدا کہتے ہیں۔ اور اس لئے اس کی ذات اور اس کے وجود میں ایسی نسبت ہوگی
جیسے دو میں اور اسکی زوجیت یعنی جفت ہونے میں جیسے زوجیت دو سے کسی حالت میں
اور کسی وقت میں ذہن میں نہ خارج میں جدی نہیں ہوسکتی ایسی ہی خدا کی ہستی اُس کی
ذات سے جدی نہیں ہوسکتی کیونکہ جیسے عدد دو کی زوجیت ایسی نہیں جیسے اس کے معدود
کی یعنی اُس شئی کی جس کو دو کہتے ہیں ایسے ہی خدا کی ہستی اور اُس کا وجود ایسا نہیں جیسے
اُسکی مخلوقات کا وجود غرض معدود ذات کی زوجیت اور مخلوقات کا وجود دونوں کے

دونوں مستعار اور قابل زوال ہیں پر عدد دو کی زوجیت اور خدا کی ہستی اور اس کا وجود اصلی دائم اور قائم ہے ممکن نہیں جو اس سے جدا ہو جاوے۔

رہا آفتاب کا کسوف اور آگ کا بجھ جانا یا آفتاب کا اور آگ کا معدوم ہو سکنا ہمارے دعوے کے مخالف نہیں۔ کیونکہ سورج گہن میں تو سورج کا نور ایسی طرح اوٹ میں آجاتا ہی۔ جیسے چراغ دیوار کی اوٹ میں سارا یا آدھا یا تہائی آجائے الغرض اُسکا نور اُس سے زائل نہیں ہوتا چھپ جاتا ہی۔ اور آگ چراغ کی بجھنے کے وقت اُسکا نور اُس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ آگ معدوم ہو جاتی ہی اُس کی گرمی اور نور بھی اُسی کے ساتھ عدم میں چلی جاتی ہی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جدائی اور بیوفائی نہیں بلکہ نہایت ہی درجہ کی معیت اور ساتھ ہی۔ ہاں اتنا فرق ہی کہ یہ معیت اور ہمراہی وجود میں متصور نہیں۔ کیونکہ وجود کسی چیز کے ساتھ اُسکی عدم میں نہیں جاسکتا۔ یہ بات جب ہی متصور ہی کہ وجود اس سے الگ ہو جائے۔ اس لئے وہ خدا و ند عالم جیسا کہ اس کا وجود اصلی ہی قابل زوال نہیں اور سب کا وجود اُسکا فیض ازلی بھی ہوگا اور ابدی بھی ہوگا نہ کبھی وہ معدوم تھا اور نہ کبھی معدوم ہوگا۔ اور اسی سبب سے یہ بھی ماننا ضرور ہوگا کہ وہ خدا اپنی ہستی میں کسی کا محتاج نہیں۔ اور سب اپنی ہستی میں اُس کے محتاج ہیں۔ اسلئے اسکا جلال ازلی اور ابدی ہی اور سوا اسکے سب کی عاجزی اور بیچارگی اصلی و ذاتی۔

اس تقریر سے تو فقط اتنی بات ثابت ہوئی کہ وجود ہمارا خانہ زاد نہیں اس خدا کا پرتو ہی جو اپنے وجود میں مستغنی ہی پر اب اسکی وحدانیت کی بات بھی سننی چاہیئے۔

اثبات وحدت دیکھیے جیسے متعدد روشندانوں کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں پر نور ایک ہی سا ہوتا ہی اور پھر وہ شکلیں بذات خود باہم بھی متمیز ہوتی ہیں۔ اور اس نور سے

بھی متمیز ہوتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس وہ نور بھی بذات خود ہر شکل سے ممتاز و متمیز ہوتا ہے۔ دوسری جس چیز کو دیکھئے اسکی ایک جدا ہی حقیقت ہے گو وجود ایک ہی سا ہے۔ اور پھر حقیقت بذات خود دوسری حقیقت سے بھی متمیز اور وجود مشترک سے بھی متمیز ہے۔ علیٰ ہذا القیاس وجود بھی بذات خود ہر حقیقت سے ممتاز و متمیز ہے۔ اور اس لئے جیسے روشندانوں کی دھوپ میں دو دو باتیں ہیں ایک نور ایک شکل۔ پر خود نور میں دو چیزیں نہیں۔ ایسے ہی مخلوقات میں تو دو دو چیزیں ہیں ایک وجود اور ایک انکی حقیقت۔ پر اس وجود میں دو چیزیں نہ ہوں گی۔ اور اسلئے اُس موجود اصلی میں جس کی نسبت وجود مذکور فیض ہے کیونکر دوئی ہو سکتی ہے کیونکہ جیسے گرمی گرم چیز اور غیر گرم چیز سے اور سردی سرد چیز اور غیر سرد چیز سے نہیں نکل سکتی اور اسلئے گرمی اور سردی کی مخرج اصلی میں ایسی دوئی کی گنجایش نہیں جو مخالف وحدت گرمی و سردی ہو ایسے ہی وجود بھی موجود اصلی اور غیر موجود اصلی سے نہیں نکل سکتا۔ اور اسلئے اس کی مخرج یعنی اس موجود اصلی میں وجود کی وحدت کی مخالف کوئی دوئی نہ ہوگی۔

بساطۃ الوجود اور ظاہر ہے کہ وجود میں کسی قسم کی ترکیب نہیں۔ کیونکہ جیسے مرکب کا انتہا آخر کار ایسے اجزا پر ہوجاتا ہے جنمیں کچھ ترکیب نہ ہو۔ ایسے ہی ہر چیز کا انتہا وجود پر ہے وجود سے آگے اور کوئی جزء نہیں نکل سکتا۔ اس تقریر سے تو موجود اصلی یعنی خدا کی ذات میں وحدت ثابت ہوئی جسکا حاصل یہ نکلا کہ خدا کی ذات میں ترکیب نہیں اب اس وحدانیت کی بات بھی سنئے جس کا ماحصل یہ ہو کہ دوسرا اس کا ثانی بھی کوئی نہیں ؞

اثبات وحدانیت اے حاضران جلسہ۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہمارے احاطۂ وجود میں کسی دوسرے کی گنجایش نہیں۔ یعنی جتنے دور میں کو ہم آتے ہیں اتنے دور میں اور

کوئی نہیں سماتا جب ہمارا وجود ضعیف اپنے احاطہ میں کسی کو آنے نہیں دیتا اس موجودِ
اصلی کا وجود قوی کیونکر اپنے احاطہ میں کسی دوسرے کو سمانے دیگا اور ظاہر ہو کہ وجود کا احاطہ
برابر نہ انسانیت کا احاطہ ہے، نہ حیوانیت کا احاطہ ہی، نہ جسمیت کا احاطہ ہی، نہ جوہریت کا احاطہ
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب کو موجود کہتے ہیں اور سب موجودات کو انسان یا حیوان یا جسم یا جوہر
نہیں کہہ سکتے۔ اس سے صاف ظاہر ہو کہ احاطہ وجود سب احاطوں میں وسیع ہو اور اس سے اوپر کوئی
احاطہ نہیں یعنی ایسا کوئی مفہوم نہیں کہ وہ وجود اور غیر وجود کو شامل ہو اس لئے یہ بات ماننی
لازم ہو کہ جیسے کشتی کے احاطہ میں کسی دوسری کشتی یا دوسری کشتی کی حرکت کی گنجائش نہیں۔
ایسے ہی موجود اصلی کے احاطہ میں جو بمقابلہ کشتی متحرک ہے اور فیض وجود عالمگیر کے احاطہ میں جو
بمقابلہ حرکت کشتی ہو جو کشتی نشینوں کے حق میں اُسکا فیض ہے کسی دوسرے موجود اصلی اور فیض وجود کی گنجائش نہیں ہو سکتی

وحدانیت کی دوسری دلیل

علاوہ برین اگر دو یا زیادہ موجود اصلی ہونگے تو وہ پھر دونوں آپس میں متمیز بھی ضرور
ہونگے یعنی اُن میں دوئی ہوگی لیکن باوجود اس کے وجود ایک ہی ہوگا کیونکہ
دونوں کو موجود کہنا خود اس بات پر شاہد ہو کہ وہ ایک چیز ہی جو دونوں میں مشترک ہے۔ اگر مشترک
نہ ہوتی تو ایک لفظ ایک معنی کی رو سے دونوں کے لئے بولنا صحیح نہ ہوتا۔

اس صورت میں وہ چیزیں جن کے سبب امتیاز باہمی ہو وہ کچھ اور ہونگی اور یہ وجود کچھ
اور شے ہوگا۔ الغرض تعدد ہوگا تو سامان امتیاز بھی ضرور ہوگا۔ مگر امتیاز بے اُس کے
متصور نہیں کہ ماورائے وجود مشترک دونوں میں اور کچھ بھی ہو۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک میں فقط
وجود ہو۔ کیونکہ اول تو وجود صفت ہی۔ اور صفت کا تحقق بے تحقق موصوف ممکن نہیں۔
دوسرے اس صورت میں ایک طرف اگر فقط وجود ہوگا تو دوسری طرف اُسی کا فیض ہوگا

اور وہی وحدت و وحدانیت ثابت ہو جائیگی۔ ورنہ تعدد وجود لازم آئیگا جس کے بطلان پر اتنی ہی بات کافی ہی کہ دونوں جا ایک ہی معنی اور مضمون ہے ؛

شے واحد کی علت دو دو مختلف چیزیں نہیں ہوسکتیں

مگر اس صورت میں وہ دو چیزیں علت وجود مشترک نہ ہونگی کیونکہ معلول پر توہ علت ہوتا ہی اور ایک شے واحد دو مختلف چیزونکا پرتوہ نہیں ہوسکتی۔ الغرض دونوں چیزیں باہم بھی ممتاز ہونگی اور وجود مشترک سے بھی ممتاز ہونگی۔ اسلئے وجود اور شی میں جسکی اس وقت ایسی صورت ہوجائیگی جیسے زمین اور نور کی ہی کوئی رابطہ ذاتی نہ ہوگا جو مانع انفصال ہو۔ اسلئے ایک دوسرے سی جیسے متصل ہی ویسے ہی جدا بھی ہو سکیگا۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ موجودیت اصلیہ خاک میں مل جائیگی اور اس سے اوپر کوئی موجود ماننا پڑے گا جس کا وجود اصلی ہو گا۔

احاطہ وجود کے اندر اور باہر کوئی اسکا ثانی نہیں

الغرض وجود ایک مضمون واحد ہی اُسکا مخرج بھی واحد ہی ہو گا پھر اُسکے احاطہ وجود میں تو اسلئے اسکے ثانی کی گنجائش نہیں۔ کہ یہ بات تو ہمارے احاطہ وجود میں بھی ممکن نہیں۔ حالانکہ ہمارا وجود اُسکے وجود سی ایسی طرح ضعیف ہی جیسی دھوپ آفتاب کی اُس نور سی جو اُسکی ذات میں ہی اور اُس سی باہر اسلئے کہ کسی دوسری کا امکان نہیں کیونکہ وجود کا احاطہ سب میں اوپر کا احاطہ ہی اُس سے خارج اور کوئی احاطہ نہیں پھر دوسرا ہو تو کہاں ہو

وجود ہر طرح سی غیر محدود و اور غیر متناہی ہے ؛

بلکہ فہم و انصاف ہو تو یوں معلوم ہوتا ہی کہ وجود ہر طرح سی غیر محدود و داؤ غیر متناہی ہی کیونکہ محدود و اور متناہی ہونے کی یہی معنی ہیں کہ یہانتک منتہا ہی اور اس سی آگی نہیں اور یہ بات بجز اسکی متصور نہیں کہ اُس حد کا آگی کوئی شئی مانی جائے کہ اُس میں یہ حد نہ ہو اور اُسکے اوپر کوئی مطلق مانا جائے کہ اُسمیں یہ قید نہ ہو۔ مگر جس صورت

ہیں موجود ہے اور کوئی مطلق اور غیر محدود نہیں تو پھر وجود ہی کو ایسا مطلق اور غیر محدود کہنا پڑیگا جس کے اوپر کوئی مطلق اور غیر محدود نہیں جس سے یہ بات خواہ مخواہ لازم آجائیگی کہ وجود ہر طرح سے غیر متناہی اور غیر محدود اور بجمیع الوجوہ مطلق ہے اس صورت میں کسی دوسرے کی اُسکے آگے گنجائش ہی نہیں کیونکہ غیر متناہی کے آگے کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہوتا۔ اسلئے فیاض وجود ایک وحدہٗ لاشریک لہٗ ہوگا۔ اور سوا اُسکے اور سب کا وجود اُسکی عطا اور فیض ہوگا۔

خدا کیلئے باپ بیٹا بھائی نہیں ہو سکتا

اگر جب یہ بات مسلم ہوئی کہ وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے تو پھر نہ کوئی اُسکا ماں باپ ہوگا نہ کوئی اُسکی اولاد نہ کوئی اُسکا بھائی برادر کیونکہ یہ باتیں جب ہی متصور ہوں کہ باوجود اتحاد نوعی تعدد متصور ہو۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کا باپ اور خدا کا بیٹا اور خدا کا بھائی باوجود تعدد خدائی میں ایسی طرح شریک ہونگے جیسے انسان کا باپ اور انسان کا بیٹا اور انسان کا بھائی باوجود تعدد انسانیت میں شریک ہیں۔ لیکن ابھی اس بات سے فراغت ہوئی ہے کہ خدا کا تعدد محال ہے اس لئے خدا کے لئے بیٹے کا ہونا یا ماں باپ کا ہونا یا بھائی کا ہونا بھی بے شک منجملہ محالات ہوگا۔

خدا کو باپ یا انسان کو بیٹا اگر کہا گیا ہے تو مجاز ہے

البتہ ہو سکتا ہے کہ جیسے رعیت کے لوگ اپنے حاکموں اور بادشاہوں کو بوجہ مزید التفات ماں باپ کہدیا کرتے ہیں اور بادشاہ اور حاکم انکو فرزندی کا خطاب دیدیا کرتے ہیں ایسے ہی اگر گاہ و بیگاہ کسی بزرگ نبی ولی نے خدا تعالےٰ کو باپ کہدیا ہو یا خداوند تعالیٰ نے کسی اپنے اچھے بندے کو جیسے انبیاء اولیاء فرزند کہدیا۔ تو اس کے بھی یہ ہی معنی ہوں گے کہ خدا تعالیٰ اُن بزرگوں پر مہربان ہے حقیقی ابوت یا بنوت ایسی جا پر سمجھ لینا اور خدا تعالےٰ کو حقیقی باپ اور انکو حقیقی بیٹا سمجھنا سخت بیجا ہوگا

جس لفظ کا استعمال ہو جب غلط فہمی ہو اُسکی ممانعت ضروری ہی

تمھیں خیال کرو کہ اگر کوئی شخص کسی حاکم سی اُسکی رعیت کی
نسبت لفظ فرزند سنکر یا رعیت سے بہ نسبت حاکم لفظ باپ سنکر
باوجود ان قرائن کے جو حقیقی معنوں کی نفی کرتے ہیں حقیقی معنی سمجھ جاے اور اس وجہ سے رعیت
کے آدمیوں کو وارث تاج و تخت اعتقاد کرکی اُسکی تعظیم و توقیر اُسکے مناسب کرنی لگے تو
یوں کہو کہ اُس نے غلاموں کو میاں کے برابر کر دیا۔ اور اس وجہ سی بیشک مورد عتاب بادشاہی
ہو جائیگا ادھر اس طوفان بے تمیزی کا انجام یہ ہوگا کہ یہ شخص تو اپنی سزا کو پہنچے اور رعیت کا
یہ خطاب بدلا جائے تاکہ پھر کوئی ایسی حرکت نکرے مگر حاکم اور رعیت میں تو بڑا فرق یہی ہوتا ہے
کہ حاکم لباس معزز پہنے ہوئے تاج مرصع سر پر رکھے ہوئے۔ امرا و وزرا اپنے اپنے قرینوں سی دست
بستہ مؤدب کھڑے ہوئے تخت زیر قدم، ملک زیر قدم، اور بیچارے رعیت والے ذلیل و خوار
نہ لباس درست نہ صورت معقول باہزار خواری و زاری جوتیوں میں استادہ۔ اس قسم
کے تفاوت خارجی ظاہر بینوں کے حق میں تفاوت مراتب سمجھنے کو کافی ہوتی ہیں۔ حالانکہ
تمام اوصاف اصلی یعنی مقتضیات نوعی اور امکانی میں اشتراک ہو جس سے ایک بار وہم
قرابت نسبی ہو جائے تو کچھ دور نہیں اور خدا میں اور بندہ میں خدائی تو درکنار کسی بات میں بھی اشتراک
نہیں ۔۔۔ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اس پر بھی کسی بندہ کو بوجہ الفاظ
مذکورہ خدا یا خدا کا بیٹا سمجھ لینا بڑی ہی فاش غلطی ہے اور بے شک یہ اعتقاد
غلط اُسکے حق میں باعث عذاب اور ان بزرگوں کے حق میں موجب سلب خطاب ہوگا۔

ابطال بنوت کی دلیل

علاوہ بریں خدائی اور حاجتمندی میں منافات ہے خدا وہ ہی
جسکا وجود خانہ زاد ہو اور ظاہر ہے کہ جب وجود خانہ زاد ہوا تو پھر ساری خوبیاں موجود ہونگی

کیونکہ جس خوبی کو دیکھئے علم ہو یا قدرت جلال ہو یا جمال۔ اصل میں یہ سب باتیں وجود ہی کے تابع ہیں۔ اگر کوئی شئی موجود نہ ہو تو پھر اسمیں علم و قدرت وغیرہ اوصاف بھی نہیں آسکتے یہ کب ممکن ہے کہ زید مثلاً موجود نہ ہو اور عالم ہو جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اوصاف حقیقت میں وجود کے اوصاف ہیں۔ اگر اسکے اوصاف نہیں تو بیشک اُن اوصاف کا اپنے موصوف میں قبل وجود موصوف ہونا ممکن ہوتا۔ اسلئے یہ بات واجب التسلیم ہے کہ خدا میں سب خوبیاں پوری پوری ہیں اور کسی قسم کی حاجت نہیں کیونکہ حاجت اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی جی چاہتی چیز نہ ہو مگر سوا خوبی اور کیا چیز ہے جسکو جی چاہے

ذات خداوندی تمام عیوب سے منزہ اور تمام کمالات کی جامع ہے۔

اس تقریر سے جیسا یہ معلوم ہوا کہ خداوند عالم کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں ایسا ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس میں کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ عیب سوا اسکے اور کیا ہے کہ اس میں کوئی خوبی نہ ہو اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سوائے خدا تمام موجودات ہر بات میں خدا کے محتاج ہیں۔ کیونکہ جب وجود میں خدا کے محتاج ہوئے تو اور خوبیوں میں بدرجہ اولی محتاج ہونگے۔ اس لئے سوائے وجود جو کوئی خوبی کی بات ہے وہ اصل میں وجود ہی کی صفت ہے :۔

جملہ جمادات و نباتات علم و فہم و حس و حرکت سے خالی نہیں۔

اور اسلیئے اس بات کا بھی اقرار کرنا ضرور ہوگا کہ ہر چیز میں کچھ نہ کچھ علم و فہم حس و حرکت کی قوت ہے کیونکہ جب علم وغیرہ اوصاف اصل میں وجود کے اوصاف ٹھہرے تو پھر جہاں جہاں وجود ہوگا وہاں وہاں یہ اوصاف بھی ضرور ہونگے اسلئے کہ اوصاف اصلیہ جدا نہیں ہو سکتے چنانچہ ظاہر ہے البتہ یہ بات مسلم کہ جیسے آئینہ اور پتھر بوجہ تفاوت قابلیت آفتاب سے برابر فیض نہیں لے سکتے گو اسکی طرف سے برابر فیض نور رواں ہو ایسے ہی بوجہ تفاوت قابلیت انسان کی برابر کوئی چیز قابل العلم نہیں ہو سکتی

انسان کا سراپا احتیاج ہونا

مگر جیسے قابلیت کمال اس میں سب سے زیادہ ہے ایسے ہی احتیاج بھی اس میں سب سے زیادہ - دیکھ لیجئے زمین کو تو بظاہر سوائے خدا اور کسی کی حاجت ہی نہیں پر نباتات کو زمین، پانی، ہوا، دھوپ سب کی ضرورت، اور پھر حیوانات کو علاوہ حاجت مشار الیہ کھانے پینے اور سانس لینے کی بھی ضرورت ہے۔ اور انسان میں سوائے حاجات مذکورہ لباس گھوڑا، ٹٹو، مکان، عزت آبرو وغیرہ کی بھی ضرورت۔ کھیتی باڑی گائے بھینس اونٹ، سونا، چاندی، تانبا، روپیہ، وغیرہ، اس قدر اشیاء کی حاجت ہے جس سے اسکا سراپا حاجت ہونا نمایاں ہے اس لئے یہ کس قدر سخت گمراہی اور غلطی ہے کہ کسی آدمی کو خدا سمجھ لیجیے۔

سراپا احتیاج انسان خدا یا خدا کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔

اور ان حاجات کو بھی جانے دیجیے، بول و براز تھوک سنک میل کچیل وغیرہ آلائشوں کو دیکھیے تو پھر خدائی کی تجویز انھیں کا کام ہے جس کو خدا سے کچھ مطلب نہیں، افسوس صد افسوس اپنے گھر اگر بندر سور کی شکل کا لڑکا پیدا ہو جائے تو کسقدر رنجیدہ ہوں کہ الٰہی پناہ حالانکہ بندر اور سور اور آدمی اور بھی کچھ نہیں تو مخلوق ہونے اور کھانے پینے اور بول و براز میں تو شریک ہیں۔ اور خدا کیلئے ایسی اولاد تجویز کریں جس کو کچھ مناسبت ہی نہ ہو۔ انصاف فرماؤ جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہو بول و براز سے مجبور ہو اس میں اور خدا میں کونسی بات کا اشتراک ہے جو خدا کا بیٹا یا خدا کہتے ہو۔ توبہ کرو اور خدا کے غضب سے ڈرو۔ ایسے محتاج ہو کر ایسے غنی مستغنی کی اتنی بڑی گستاخی۔۔

مسیح علیہ السلام کا خدا یا خدا کا بیٹا ہونا بدیہی البطلان ہے۔۔

جن کو تم خدا یا خدا کا بیٹا سمجھتے ہو ان میں آثار عبودیت ہم سے بھی زیادہ تھے علاوہ ان عیوب کے جنکو عرض کر چکا ہوں ان کا زہد و تقوی اور خوف و خشیت اور طاعت و عبادت جس میں شب و روز وہ لوگ غلطاں پیچاں رہتے تھے

خود اس بات پر شاہد ہے کہ ان میں خدائی کی بو بھی نہ تھی فرعون نے خدائی کا بہروپ اور سانگ تو بنا رکھا تھا وہاں تو یہ بھی نہ تھا جس وقت فرعون کے خدا کہنے والے مستوجب عتاب ہوئے تو حضرت عیسیٰؑ کے خدا کہنے والے کیونکر مستحق عذاب نہ ہونگے یہاں تو ہر پہلو سے بندگی ہی ٹپکتی تھی۔ اقرار تھا تو بندگی کا تھا اور کار تھا تو بندگی کا تھا۔ اگر وہ اپنے بندہ ہونے کو چھپاتے اور دعوی خدائی کرتے عبادت زہد و تقوی سے کچھ مطلب نہ رکھتے تو خیر کسی عاقل یا جاہل کو اگر بوجہ معجزات انکی طرف گمان خدائی ہو جاتا تو ہو جاتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ عقل و دانش سب موجود وہاں بجز اتمام بندگی اور کوئی چیز نہیں۔ تس پر ان کو خدا کہے جاتے ہیں اور باز نہیں آتے۔ یہ کس شراب کا نشہ ہے جس نے عقل و دانش سب کو بیکار کر دیا۔ کیا عقل و دانش اس متاع قلیل دنیا ہی کیلئے خدا نے عطا فرمائی تھی ہرگز نہیں یہ چراغ بے دود راہ دین کے نشیب و فراز کی دریافت کرنیکے لئے تھا۔ اب بھی کچھ نہیں گیا باز آؤ توبہ کرو اور ایسی گستاخیاں کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔

ابطال تثلیث

الغرض یہ کیا ستم ہے کہ اس ایک خدا کو ایک بھی حقیقت کی رو سے کہتے ہو اور تین بھی حقیقت ہی کی رو سے کہتے ہو۔ اور باز نہیں آتے۔ اے حضرات عیسائی دردمندی نوعی کے باعث یہ کمترین خستہ حال سے خراش ہے کہ اصول دین میں ایسی محال باتوں کا ہونا بے شک اہل عقل کے نزدیک بطلان مذہب کے لئے کافی ہے۔

"عقیدہ کے لئے مطابقت واقع ضرور ہے اور عقائد کی غلطی کو مذہب کا غلط ہونا لازم"

صاحبو! عقیدہ ایک قسم کی خبر ہوتی ہے جس کے صحیح و صادق ہونے پر مذہب کا صحیح و صادق ہونا اور اسکے غلط اور جھوٹ ہونے پر مذہب کا غلط اور جھوٹ ہونا موقوف ہوتا ہے کیونکہ اور باقی کاخانہ یعنی بندگی و عبادت اسی خبر اور اعتقاد کے باعث ہوتا ہے مگر تمہیں دیکھو ایک شی کی حقیقت

ایک ہونے اور پھر حقیقت میں تین ہونیکو کس کی عقل صحیح و صادق کہیگی۔ یہ ایسی غلطی عظیم الشان ہے جس کو لڑکوں سے لیکر بوڑھوں تک بے بتلائے سمجھ جاتے ہیں تثلیث اور توحید کے اجتماع کے محال ہونے پر تو عقل ایسی طرح شاہد ہے جیسے آنکھ آفتاب کے نورانی ہونے پر یعنی جیسے بے واسطۂ غیر کسی کو بھی آنکھ سے آفتاب کا نورانی ہونا معلوم ہو جاتا ہے ایسے ہی اجتماع مذکور کا محال ہونا بے واسطۂ دلیل عقل کے نزدیک واضح اور روشن ہے۔ اور ادھر اجتماع مذکور کے ثبوت پر نہ عقل بے واسطہ شاہد ہے نہ بواسطہ کوئی قوی دلیل عقلی ہے نہ ضعیف جس سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ تثلیث اور توحید دونوں صحیح ہیں۔ اس صورت میں اگر کوئی انجیل کا فقرہ اس مضمون پر دلالت بھی کرے تو اس فقرہ ہی کو غلط کہیں گے اور شہادت عقل کو غلط نہ کہیں گے۔

بداہت عقل کے مقابلہ میں کوئی دلیل عقلی نظری معتبر نہیں ہوسکتی

القصہ دلیل نقلی ہو یا عقلی اس سے جو مطلب ثابت ہوگا وہ بمنزلہ شنیدہ ہوگا اور جو بات بے واسطۂ دلیل خود معلوم ہوگی وہ بمنزلہ دیدہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اگر کوئی شخص فرض کرو کہیں اونچے پر کھڑا ہوا آفتاب کو بچشم خود دیکھے کسی قدر افق سے اونچا ہے اور ایک شخص کسی دیوار کے پیچھے بیٹھا ہوا بوسیلہ گھڑی یہ کہے کہ آفتاب غروب ہو چکا تو وہ شخص جو اپنی آنکھ سے آفتاب کو دیکھ رہا ہے بالیقین یہی سمجھے گا کہ یہ گھڑی غلط ہے۔ القصہ جیسے گھڑی اوقات شناسی کیلئے بنائی گئی ہے مگر بمقابلہ چشم بینا اس کا اعتبار نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ گھڑی میں غلطی ممکن ہے ایسے ہی انجیل بھی ہدایت کیلئے اتاری گئی ہے مگر بمقابلہ عقل مصفا اس کا اعتبار نہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ نقل کتاب میں غلطی ممکن ہے البتہ جیسے آنکھ بشرطیکہ صاف ہو اپنے ادراک میں غلطی نہیں کرتی اور اس کا ادراک یہی ہے کہ مبصرات کو بے واسطۂ غیر دریافت کرے نوبت سماعت کی نہ آئے ایسے ہی عقل مصفا

بھی ابنۂ ادراک میں غلطی نہیں کرتی مگر اس کا اور ایک یہی ہے کہ معقولات کو بے واسطہ دلائل سمجھے نوبت استدلال نہ آئے ۔

باقرار علماء مسیحین مضمون تثلیث الحاقی ہے

پھر طرفہ یہ ہے کہ وہ فقرہ جو اس قسم کے مضامین پر دلالت کرتا ہے خود مسیحیوں کے نزدیک اُنکے علماء کے اقرار کے موافق منجملہ ملحقات ہے چنانچہ نسخہ بیبل مطبوعہ مرزاپور ۱۸۷۰ء میں اس فقرہ کے حاشیہ پر مہتمان مطبع نے جو بڑے بڑے پادری تھے چھاپ بھی دیا ہے کہ یہ فقرہ کسی قدیم نسخہ میں نہیں پایا جاتا ۔ مگر تسپر بھی وہ ہی تعصب اور وہی عقیدہ ہے ۔

سچے عیسائی ہم محمدی ہیں

اے حضرات مسیحی ہمارا کام فقط عرض معروض ہے سمجھانیکی بات سمجھ لینا تمھارا کام ہے خدا سے التجا کرو کہ حق کو حق کر دکھلائے اور باطل کو باطل کر دکھلائے برا نہ مانو تو سچ یہ ہے کہ سچے عیسائی ہم ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے اقوال و افعال کے موافق اُنکو بندہ سمجھتے ہیں خدا اور خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے خدا کو ایک کہتے ہیں تین نہیں کہتے ۔

حق تعالی کے افعال اختیاری ہیں اضطراری نہیں

اس کے بعد یہ گذارش ہے کہ وہ خداوند عالم جسکا جلال ازلی اور ابدی ہے تمام عالم کا بنانیوالا اور سب کام کر نے چلانیوالا ہے ۔ مگر اسکے افعال اس کے اختیاری ہیں ۔ ایسے نہیں جیسے ڈھیلے پتھر کو کہیں پھینک دیجے تو چلا جاتا ہے نہیں تو نہیں ۔ اگر بالفرض ایسا ہو تو یوں کہو وہ اپنی حرکت و سکون میں اوروں کا محتاج ہو جائے ۔ اور اُسکے محتاج نہ رہیں مگر ہر کوئی جانتا ہے کہ بعد تسلیم اس بات کے کہ جو کچھ مخلوقات میں علم و قدرت ہے وہ سب خدا کے فیض سے ہے خدا تعالی کا اوروں کی نسبت مجبور کرنا ایسا ہوگا عیسائیوں کے اصل ہیں کشتی میں بیٹھنے والے متحرک ہیں اور کشتی کی حرکت اُن کا فیض ہے ما آب گرم آگ سے گرم ہے پر گرمی آتش آب کا فیض ہے ۔ الغرض یہ نہیں ہو سکتا کہ خداوند عالم

باوجود یکتائی اور خالقیت زور و قدرت میں اور کسی کے سامنے مجبور ہو سوائے اسکے اگر ہی تو
یہی خلق و عالم ہی پھر انہیں سے خالق مجبور ہونے لگے تو اُلٹے بانس پہاڑ کو جانے لگیں اسلئے
یہ بات بالضرور جاننی لازم ہی کہ اس نے اپنے ارادہ سے سب کچھ کیا ہی اور اپنے ارادہ سے سب کچھ کرتا ہے
کیونکہ افعال کی یہی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری اور ایک اضطراری جو کسی اور کی خبر کی باعث سرزد ہوں

افعال خداوندی ہیں مثل صفات خداوندی ضرورت اور وجوب کا احتمال ہی نہیں ؞

مثل صفات ضرورت اور وجوب کا احتمال ہی نہیں ورنہ حاصل
افعال قدیم ہو جائے اور سب جانتے ہیں کہ حاصل افعال
خداوندی یہی مخلوقات ہیں یا واقعات جو ایک دوسرے
کے بعد ہوتے رہتے ہیں سو اگر افعال قدیم ہوں تو یہ معلولات بھی قدیم ہو جاویں ؞

افعال کی اختیاری ہونیکی دوسری دلیل

علاوہ بریں افعال ایک قسم کی حرکت ہوتی ہی اور حرکت میں ہر دم تجدد
اور حدوث رہتا ہے اس میں قدم کا احتمال ہی نہیں جو واجب ہونیکا
وہم آئے۔ اور جب واجب نہیں تو پھر یہی دو صورتیں ہیں ؞

ثبوت تقدیر

یا اختیاری ہونگی۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ ارادہ کے کاموں میں ارادہ کو
پہلے اُس کام کو سمجھ لیتے ہیں مکان اگر بناتے ہیں۔ تو اُسکا نقشہ بنا لیتے ہیں۔ کھانا پکاتی
ہیں تو اُسکا تخمینہ کر لیتی ہیں۔ کپڑا سیتے ہیں تو قطع کر لیتے ہیں۔ اس لئے یہ ضرور ہے کہ
خداوند عالم نے جو کچھ بنایا یا بنائیگا اُسکا نقشہ اور اُسکا تخمینہ اور اُسکا کیمنڈا بالضرور اسکے
پاس ہوگا ورنہ لازم آئیگا کہ اُس کے کاروبار مثل حرکات و سکنات حجر و شجر ہوں۔ نعوذ باللہ
اس صورت میں بعض اسباب کا بعض کاموں میں دخیل ہونا ایسا ہوگا جیسا باوجود تیاری
نقشہ مکان معمار اور مزدور وغیرہ کا اُس مکان کی تیاری میں دخیل ہونا۔ یا جیسے کھانے

پکانے میں باوجود تخمین مقدار و کیفیت لذات آگ وغیرہ اشیاء کا دخیل ہونا بلکہ غور کیجئے تو
جو جو اشیاء کسی کام میں دخیل معلوم ہوتی ہیں سارے عالم کی نسبت وہ بھی منجملہ اجزاء نقشہ
عالم ہونگی اگرچہ بہ نسبت نقشہ قدر مقصود خارج ہو۔ اسی کو اہل اسلام تقدیر کہتے ہیں بلغت
عرب میں تقدیر بمعنی اندازہ ہے اور اس وقت وجہ تسمیہ ظاہر ہے اس صورت میں بھلائی
بُرائی جنت دوزخ اگر ہوں اور پھر جنت میں بھلوں کا جانا اور دوزخ میں بُروں کا جانا
ایسا ہوگا جیسا مکان کا دالان اور پاخانہ اور راحت و آرام کیلئے یہاں آنا اور پاخانہ پیشاب
کیلئے وہاں جانا جیسے یہاں اگر پاخانہ کی زبان ہو اور وہ شکایت کرے کہ میرا کیا قصور جو
ہر روز مجھ میں پاخانہ ڈالا جاتا ہے اور دالان نے کیا انعام کام کیا ہے جو اس میں یہ فرش فروش وشیشہ آلات و جھاڑ فانوس و عطر خوشبو ہے تو اسکا یہ ہی جواب ہوگا کہ تو اسی کے لائق
اور تجھکو اسی کیلئے بنایا ہے اور وہ اسی کے قابل ہے اور اسکو اسی کیلئے بنایا ہے۔ علی ہذا القیاس
ناپاکی مثل پاخانہ و پیشاب اگر یہ شکایت کریں کہ ہم نے کیا قصور کیا کہ جو پاخانہ ہی میں ڈالے
جاتے ہیں کبھی دالان نصیب نہیں ہوتا اور عطر خوشبو وغیرہ نے کیا انعام کا کام کیا ہے جو ہمیشہ
دالان ہی میں رہتے ہیں اور کبھی پاخانہ میں انکو نہیں بھیجا جاتا تو اُسکا جواب بھی یہ ہی ہوگا
ایسے ہی اگر دوزخ اس کی شکایت کرے کہ میں نے کیا قصور کیا ہے اور جنت نے کیا انعام
کا کام کیا۔ یا بُرائی یہ شکایت کرے کہ میں نے کیا قصور کیا ہے جو میرے لئے سوائے دوزخ اور بُرے
لوگوں کے اور کچھ نہیں۔ اور بھلائی نے کیا انعام کا کام کیا جو ہمیشہ اچھے آدمی اور جنت ہی
اُس کے لئے ہے۔ یا بُرے آدمی یہ شکایت کریں کہ ہم اگر بُرے ہیں تو تقدیر کی بُرائی ہے
ہمارا کیا قصور۔ اور اچھے آدمی اگر اچھے ہیں تو تقدیر کی بھلائی ہے انکا کیا زور۔ تو یہاں

بھی یہ ہی جواب ہوگا کہ تم اسی لائق ہو اور تمھیں اسی لئے بنایا ہی اور وہ اُسی قابل ہیں اور
اُن کو اُسی لئے بنایا ہی القصہ اگر بنی آدم اپنے وجود اور کمالات وجود کو مثل علم ارادہ قدرت
وغیرہ خدا کیطرف سے مستعار سمجھتا ہی جیسا ہم نے بوجہ اتم سمجھا دیا ہی تب تو یہ جواب ہے کہ ادھر ہم مالک
اور ہمکو اختیار اُدھر تمکو اسلئے بنایا اور تم اسی قابل جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ بندہ سر رضا و تسلیم خم کرلے اور
چون و چرا کچھ نہ کرے ؛۔

افعال خداوندی کے اضطراری ہونیکا ابطال

یا اضطراری مگر اضطراری ہونیکا بطلان تو بانیوجہ ظاہر ہوگیا کہ اضطرار
اسی مجبوری کو کہتے ہیں سو خدا تعالیٰ اگر مجبور ہوگا تو سوائے عالم اور کون
ہے اگر ہوگا تو عالم ہی میں کسی کا مجبور ہوگا اور ظاہر ہی کہ یہ بات ظاہر البطلان ہی کہ اختیار و
قدرت مخلوقات ہو تو خدا کا دیا ہوا۔ اور پھر خدا ہی اُن کے سامنے مجبور ہو جائے اس لئے کہ
اس صورت میں اور الٹا خدا تعالیٰ کو مخلوقات سے مستفید کہنا پڑیگا۔ کیونکہ جب خدا تعالےٰ
مخلوقات کے سامنے مجبور ہوگا تو یہ معنی ہونگے کہ اُس کے افعال مخلوقات کی قدرت سے
اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے کشتی میں بیٹھنے والونکا پار ہو جانا کشتی کے پار ہو جانے کی بدولت
ہوتا ہی مگر ظاہر ہی کہ اس صورت میں جیسے کشتی نشین حرکت میں خود کشتی سے مستفید ہوتے ہیں
ایسے ہی اس وقت خدا تعالیٰ بندوں سے مستفید ہوگا۔ حالانکہ خوب طرح یہ بات ثابت ہوچکی
ہے کہ اختیار و قدرت وغیرہ صفات کمال میں بندہ خدا تعالیٰ سے مستفید ہے ؛۔

عالم بجمیع اجزائہ حادث ہے

اس تقریر سے یہ بات بھی اہل عقل کو معلوم ہوگئی ہوگی کہ عالم سارا
حادث ہے اس میں سے ایک چیز بھی قدیم نہیں اگر ایک چیز بھی قدیم ہوگی تو اسی چیز کی نسبت
یہ کہنا پڑیگا کہ یہ چیز مخلوق نہیں۔ اور جب مخلوق نہ ہوگی تو دوسرا خدا۔ اور نکلیگا جس کے

ابطال کیلئے بعد ملاحظہ تقریرات گذشتہ اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں وجہ اس بات کی کوئی چیز قدیم ہوگی تو پھر مخلوق نہ ہوگی یہ ہے کہ خلق یعنی پیدا کرنا ایک فعل ہے بلکہ سب میں پہلا فعل ہے اور خدا کے افعال سب اختیاری ہیں اور اگر خدانخواستہ اختیاری نہ ہوں اضطراری ہوں تب بھی ایک اختیار ماننا پڑیگا کیونکہ اضطرار کے تو معنی یہی ہیں کہ کسی صاحب اختیار کے سامنے مجبور ہو جائے۔ غرض ہر فعل میں اپنا یا کسی بیگانہ کا اختیار ماننا پڑیگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایجاد کا اختیار انہیں چیزوں میں متصور ہے جو اپنے وجود سے پہلے معدوم ہوں کیونکہ اختیار ایجاد اُسکا نام ہے کہ معدومات کو چاہے معدوم رکھے چاہے موجود کرے جیسے اختیار فنا اُسکا نام ہے کہ چاہے موجود رکھے چاہے معدوم کردے سو اگر موجودات عالم کو خدا تعالیٰ کا مخلوق کہینگے اور خدا تعالیٰ کو اُن کے پیدا کرنے میں صاحب اختیار سمجھیں گے تو بالضرور ہر شئے کے وجود سے پہلے اُس کو معدوم کہنا پڑے گا۔

افعال عباد کا خالق حق تعالیٰ ہے

لیکن جب یہ بات مسلم ہو چکی تو اب اسمیں شبہ نہیں کہ جب وجود کمالات وجود عالم سب خداوند عالم کیطرف سے مستعار ہے تو دو باتیں واجب التسلیم ہوئیں اول تو یہ کہ مخلوقات کے افعال اختیاری خداوند عالم کے اختیار سے ہوتے ہیں کیونکہ جیسے آئینہ کے نور سے در صورتیکہ عکس آفتاب وماہتاب ہو نور آفتاب و ماہتاب اُس میں آیا ہوا ہو۔ ایسے ہی در صورتیکہ زور و قدرت مخلوقات خدا کے زور و قدرت سے مستعار ہوئے تو جو کام اُن کے اختیار و قدرت سے ہوگا وہ خدا ہی کے اختیار و قدرت سے ہوگا کیونکہ انکا اختیار و قدرت خدا ہی کے اختیار و قدرت سے مستعار ہے۔

تمام مخلوقات کے نفع و ضرر کا مالک حق تعالیٰ ہے

دوسری یہ بات بھی ماننی لازم ہوگی کہ عالم کا نفع و ضرر سب خداوند عالم کے ہاتھ ہے وجہ اسکی مطلوب ہے تو سنئے۔ دھوپ جس قدر آفتاب کے

قبضہ و قدرت میں ہے اُس قدر زمین کے قبضہ و قدرت میں نہیں اگرچہ زمین سے متصل اور
اور آفتاب سے منفصل ہے زمین اس قدر نزدیک کہ اس سے زیادہ اور کیا ہو گا اور آفتاب
سے اس قدر دور کہ لاکھوں کوس کہئے تو بجا ہے۔ مگر تس پر آفتاب آتا ہے تو دھوپ آتی ہے اور
جاتا ہے تو ساتھ جاتی ہے۔ پر زمین سے یہ نہیں ہو سکتا کہ دھوپ چھین کر رکھ لے۔ آفتاب کو
اکیلا جانے دے وجہ اُسکی بجز اسکے اور کیا ہے کہ نور زمین نور آفتاب سے مستعار ہے مگر یہ ہے تو وجود
مخلوقات اور کمالات مخلوقات بھی خدا کی وجود اور کمالات سے مستعار ہیں۔ اسلئے ایسے ہی
خداوند عالم اور وجود مخلوقات کو بھی سمجھئے وجود مخلوقات کو مخلوقات سے متصل اور خدا اس سے
وراء الوراء۔ مگر پھر بھی جس قدر اختیار اور قبضہ خدا کا اُس وجود پر ہے اُس قدر مخلوقات کا
قبضہ اُس پر نہیں ان آثار سے ظاہر ہے کہ وجود مخلوقات ملک مخلوقات نہیں۔ ملک خالق
کائنات ہے کیونکہ لباس مستعار مستعیر کے بدن سے متصل ہوتا ہے مگر بوجہ اختیار داد و ستد معیر کی
ملک سمجھا جاتا ہے گو اُس کے بدن سے متصل نہیں ایسے ہی بوجہ اختیار داد و ستد وجود کائنات
کو ملک خدا سمجھئے اُس کا دینا لینا جسکو عطا و سلب اور نفع و ضرر بھی کہتے ہیں دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

محبوبیت اصلی حق تعالیٰ ہی کیلئے ہے

ادھر علاوہ نفع و ضرر بایں وجہ کہ ساری خوبیاں اُسکے لئے مسلم ہو چکیں اور سوا
اُسکے جس کسی میں کوئی بھلائی ہے تو اُس کا پرتو ہے یہ بھی تسلیم کرنا ضرور ہو گا کہ
محبوبیت اصل میں اُسی کیلئے ہے سوا اُس کے جو کوئی محبوب ہے اُس میں اُسی کا پرتو ہے۔

حق تعالیٰ کے سوا قابل عبادت اور اطاعت اور کوئی نہیں ہو سکتا

یہ بات جب ذہن نشین ہو چکی تو اور سنیئے کہ مدار کار اطاعت
فقط انہیں تین باتوں پر ہے یا امید نفع و راحت پر یا اندیشہ
نقصان و تکلیف پر یا محبوبیت پر۔ نوکر اپنے آقا کی اطاعت نوکری کی امید پر کرتا ہے اور

رعیت اپنے حاکم کی اطاعت اندیشہ اور خوف تکالیف سے کرتی ہے اور عاشق اپنے محبوب کی اطاعت بتقاضائے محبت اس کی محبوبیت کے باعث کرتا ہے جب یہ تینوں باتیں اصل میں خدا ہی کیلئے ہوئیں تو ہر قسم کی اطاعت بھی اُسی کیلئے ہونی چاہئے اور ہی کو اسکا شریک کیجئے تو پھر ایسا قصہ ہے کہ نوکر تو کسی کا ہو اور خدمت کسی کی کرے۔ رعیت کسی کی ہو اور حاکم کسی کو سمجھے معشوق کوئی ہو اور یاد کسی کو کرے اور ظاہر ہے کہ ایسے نوکر لائق ضبطی تنخواہ اور ایسی رعیت قابل سزای بغاوت۔ اور ایسے عاشق دھکے دینے کے لائق ہوتے ہیں۔ انعام و اکرام تو درکنار پھر اسپر اگر وہ غیر جس کی اطاعت میں نوکر سرگرم ہو اور اس وجہ سے آقا کی خدمت چھوڑ بیٹھے خود اسکے آقا ہی کا غلام ہو اور وہ شخص جسکو رعیت کا آدمی اپنا حاکم سمجھتا ہے خود اُسکی بادشاہی کا ماتحت ہو اور وہ شخص جو معشوق کو چھوڑ کر جسکو یاد کرتا ہے وہ خود اُسکے معشوق سے ایسی نسبت رکھتا ہو جیسے آفتاب سے اُسکا وہ عکس جو کسی خراب سے آئینہ میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں وہ عتاب اول اور بھی بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں احتمال ہمسری و زیادتی غیر ہو ہی نہیں سکتا جو اس دغا کے لئے کوئی بہانہ ہو۔

انبیاءؑ و علماء کی اطاعت عین اطاعت خداوندی ہے

بالجملہ اطاعت بجز خداوند عالم اور کسی کی جائز نہیں ہاں جیسے حکام ماتحت کی اطاعت بشرطیکہ وہ اپنے بادشاہ کے ماتحت ہو کر حکمرانی کریں آثار بغاوت نمایاں نہ ہوں عین بادشاہی کی اطاعت ہے اس لئے کہ حکام ماتحت کے احکام بادشاہی کے احکام ہوتے ہیں۔ ایسے ہی انبیاءؑ اور علماء کی اطاعت بشرطیکہ علماء بمقتضائے منصب نیابت حکمرانی کریں۔ وہ عین خدا ہی کے احکام ہیں۔

انبیاءؑ اور علماء کی اطاعت سے انکی عبادت لازم نہیں آتی

اس تقریر کے بعد یہ گذارش ہے کہ اطاعت یعنی فرماں برداری

بشرطیکہ اپنے حاکم اور فرماں روا کو نفع و ضرر کا مالک حقیقی اور محاسن اور محامد کا منبع تحقیقی سمجھے عبادت اور بندگی ہے، اور جو یہ بات نہ ہو یعنی اُسکو مالک نفع و ضرر بطور مذکور اور منبع محاسن و محامد بطرز مشارٌ الیہ نہ سمجھے تو عبادت نہیں۔ کیونکہ پھر وہ اطاعت حقیقت میں اسکی نہیں ہوتی جسکی اطاعت کرتا ہے۔ آخر اگر کوئی حاکم معزول ہو جائے تو پھر اس کی اطاعت کون کرتا ہے۔ علی ہذا القیاس اگر محاسن و محامد کسی شخص میں نہ رہیں تو پھر اسکا عاشق اور خریدار کون بنتا ہی۔ اور ظاہر ہی کہ خدا وند عالم سی یہ باتیں اور سو نکی طرح نہیں جدی ہو سکتیں جو یوں کہا جائے کہ جس میں ملکیت نفع و ضرر اصلی ہیں وہی معبود ہے خدا نہیں اور جس میں یہ محاسن اصلی ہیں وہی محبوب ہے خدا نہیں ؛۔

کسی کو مالک نفع و ضرر و منبع محاسن سمجھنا عبادت ہی

مگر چونکہ طاعت مطیع کی ذلت اور مطاع کی عزت کو متضمن ہی تو وہ اعزاز جس میں کسی کو بذات خود مستحق سمجھ لیا جائے یعنی اسکو مالک نفع و ضرر اور منبع محاسن سمجھا جائے اگرچہ از قسم اطاعت یعنی امتثال امر و نہی نہ ہو وہ بھی منجملہ عبادت ہوگا ؛۔

جو اعمال مظہر عبادت ہوں وہ بھی عبادت سمجھے جائیں گے، نیت عباد ہو یا نہ ہو

علی ہذا القیاس اس اعتقاد کیساتھ خدا تعالیٰ ہمارے نفع و ضرر کا مالک و مختار ہی اور تمام محاسن کی اصل اور منبع ہی اور جون سی اعمال کو ایسی نسبت ہو جیسی ہماری روح کو ساتھ ہماری بدن کو اور اسکے قوائے مختلفہ کو جیسی قوت باصرہ اور قوت سامعہ مثلاً بدن کے اعضائے مختلفہ یعنی آنکھ کان کے ساتھ مثلاً تو وہ افعال بھی منجملہ عبادات شمار کئے جائیں گے ہاں اتنا فرق ہوگا جتنا روح اور بدن اور قوت باصرہ اور آنکھ میں فرق ہی۔ یعنی جیسے روح ہماری اصلی حقیقت ہی

اور عالم اجسام میں بدن اسکا قائم مقام قوت باصرہ ابصار میں اصل ہی اور آنکھ عالم اجسام میں اسکا خلیفہ ایسی ہی اصل عبادت وہ اعتقاد دلی ہوگا اور وہ اعمال عالم اعمال میں اسکے خلیفہ۔ سو جیسے قوت باصرہ کا خلیفہ آنکھ ہی ہوتی ہے کان نہیں ہوتا۔ اور آنکھ قوت باصرہ ہی کا خلیفہ ہوتی ہی قوت سامعہ کا خلیفہ نہیں ہوتی ایسی ہی اعتقاد مذکور کا خلیفہ وہی اعمال ہوں گے جنکو وہ نسبت حاصل ہو اور اعمال نہ ہونگے۔ اور وہ اعمال بھی اسی اعتقاد کا خلیفہ سمجھے جائینگے اور اعتقاد کا خلیفہ نہ ہونگے۔ سو جیسے بدن انسانی کو دیکھکر ساری معاملات جسمانی انسان ہی کے مناسب کئے جاتے ہیں گو اسکے پردہ میں روح خنزیر ہی کیوں نہ ہو اور جسم خنزیر ہو تو سارے معاملات جسمانی خنزیر ہی کے مناسب کئے جائیں گے۔ گو اسکے پردہ میں روح انسان ہی کیوں نہ ہو ایسے ہی سجدہ وغیرہ اعمال کو جنکو اعتقاد مذکور کے ساتھ نسبت مذکور حاصل ہو عبادت ہی کہینگے اگرچہ اس شخص کی نسبت جسکو سجدہ کرتا ہی یہ اعتقاد مذکور حاصل نہو۔

ایمان کیلئے عبادات کا لزوم | اس مثال کی تمہید کے بعد یہ گذارش ہی کہ جو شخص خدا کو مالک نفع و ضرر سمجھیگا۔ اور اپنے حدوث و بقا یعنی پیدایش اور دوام میں ایسی طرح اسکی احتیاج ہوگی جیسی دھوپ کو اپنے حدوث و بقا میں آفتاب کی ہر دم حاجت ہی تو بالضرور اسکو ہر دم خدا کی طرف روئے نیاز ہوگی اور اپنی قدرت کو اُسکی قدرت سے مستعار سمجھکر اُسی کے کاموں کیلئے روکے رکھیگا۔ سو اُسکے اس خیال کو یہ بھی لازم ہی کہ جیسے نور مستعار قطعات زمین آفتاب کے نور کا ایک ٹکڑا ہی اسکا پورا نور اسمیں نہیں آیا اور اس وجہ سے اُسکی بڑائی اور اسکی چھوٹائی لازم ہی۔ ایسے ہی اپنی ہستی کو ایک حصہ حقیر سمجھے اور خدا کے وجود کو عظیم الشان خیال کرے۔ ادھر جیسے بوجہ علیت آفتاب کا علو مراتب اور زمین کے نور کے مرتبہ میں کمی

لازم ہے ایسی ہی خدا کی علو مراتب اور اپنی پستی مرتبہ کا اعتقاد اور اقرار ضرور ہے ؛ ۔

استقبال قبلہ مگر روئے نیاز قلبی کا ادھر ہونا دل کی بات ہے احوال جسمانی میں اُسکا قائم مقام اگر ہو سکتا ہے تو اُس جہت کا استقبال ہو سکتا ہی جو بمنزلہ آئینہ جو بعض اوقات تجلی گاہ آفتاب بنجاتا ہے عالم اجسام میں خدا کی تجلی گاہ ہو ؛ ۔

نماز میں ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا اور اسکی کام کیلئے اپنی قدرت کر رو کے رکھنے کی مقابلہ میں اگر ہو تو اپنے ہاتھوں کا باندھکر کھڑا ہو جانا ہی جو اس بات کی طرف مشیر ہی کہ خدمت کیلئے استادہ ہے

رکوع اور اسکی عظمت کے لحاظ کے بعد جو اپنی نفس کی تحقیر کی کیفیت اپنے دل پر طاری ہونی چاہیئے عالم اجسام میں اُسکے قائم مقام اور اس کے مقابلہ میں اگر ہے تو جھک جاتا ہے جس کو اصطلاح اہل اسلام میں رکوع کہتے ہیں ؛ ۔

سجدہ اور اسکے علو مراتب کے اعتقاد کے بعد جو اپنی پستی کے خیال کی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے اسکے مقابلہ میں اور اس کے قائم مقام اس بدن کے احوال و افعال میں اگر ہے تو یہ ہے کہ اپنا سر اور منہ جو محل عزت سمجھے جاتے ہیں ، زمین پر رکھے اور تاک اُسکے خاک آستانہ پر رگڑے ۔ اسکو اہل اسلام سجدہ کہتے ہیں ؛ ۔

نماز کے افعال خدا کے سوا کسی اور کے لئے بجا لانا شرک ہے الغرض جب ان افعال مذکورہ کو اُن امور قلبیہ کے ساتھ وہ نسبت ہوئی جو بدن کو روح کے ساتھ تو جیسے بدن انسانی کو بوجہ نسبت مذکورہ انسان کہتی ہیں ایسی ہی افعال مذکورہ کو بوجہ نسبت مذکورہ عبادت کہنا لازم ہوگا اور سوا خدا کے اور کسی کیلئے ان افعال کا بجالانا روا ہوگا منجملہ شرک سمجھا جائیگا ؛ ۔

زکوٰۃ اب اور سنیئے جب بوجہ اعتقاد و احوال مشار الیہا و احوال مذکورہ بندہ نے یہ ثابت کر دکھایا

کہیں سراپا اطاعت ہوں تو منجملہ ملازمان بارگاہ احکم الحاکمین سمجھا جائیگا۔ اور بایں وجہ کہ
اموال دنیوی مملوک خداوند مالک الملک ہیں چنانچہ اُسکا ثبوت معروض ہوچکا ہے اور
پھر وہ اموال کسی قدر نہ کسی قدر بندہ کی قبض و تصرف میں رہتی ہیں اسلئے بندہ ان اموال
کی نسبت خازن و امین سمجھا جائیگا اور اسکے صرف میں تابع فرمان خداوندی رہا کریگا
اور جو کچھ خرچ کریگا خدا کا مال سمجھ کر حسب اجازت خداوندی صرف کیا کریگا۔ خود کھائیگا
اور اپنے صرف میں لائیگا۔ تو خدا کی اجازت سی کھائیگا اور صرف میں لائیگا۔ اور کسی دوسری کو
دے دلائیگا تو حسب اجازت خداوندی دے دلائیگا مگر خداوند کریم کے لطف و رحمت سی یہ
بعید ہے کہ خود قابض و امین حاجت مند ہو اور پھر اور ونکو دلوادے۔ علی ہذا القیاس یہ
بھی مستبعد ہے کہ ایک شخص کی حفاظت و حراست میں خزانہ کثیر موجود ہو۔ اور پھر محتاجونکو
ترسائے اور نہ دلوائے، اس لئے یہ بات قرین حکمت ہی کہ تھوڑے اموال میں سی تو کسی اور کو
نہ دلوائیں اور زیادہ ہو تو اور ونکے لئے حصہ تجویز کردیں اس صورت میں اس بندہ کا حصہ
مذکور کو دینا اور حسب ارشاد خداوندی صرف کرنا بطور نیابت ہوگا یعنی جیسی خادم اگر حسب اجازت
اپنے آقا کے مال میں سی کسی کو کچھ دیتا ہی تو وہ آقا کا دیا سمجھا جاتا ہی اور خادم محض نائب داد
دہش ہوتا ہی اس قسم کی عبادت کو اہل اسلام زکوٰۃ کہتے ہیں یہ دونوں باتیں جسمیں سے
ایک تو بجمیع الوجوہ عبادت ہی اور دوسری بات بوجہ مذکور تو نیابت اور بوجہ فرمانبرداری
عبادت ہی خدا کی مالک الملک اور احکم الحاکمین ہونیکا ثمرہ ہی جسکے اثبات سے بحمد اللہ فراغت ہوچکی۔

تمہید سوم و پنجم | اب رہی خدا کی محبوبیت اور اسکی خوبیاں جس کو جمال سی تعبیر کیجئے تو بجا ہی
اس کی متعلق بھی دو ہی باتیں ہونی چاہئیں۔ ایک تو خدا کی سوا اور چیزوں سے بغرض

کیونکہ جب غلبہ محبت محبوبان مجازی میں کسی چیز کی پرواہ نہیں رہتی تو محبوب حقیقی
کی محبت میں یہ بات کیوں نہ ہوگی دوسری اس بےغرضی کی بعد اپنے محبوب یعنی خدا کے
شوق میں محو ہو جانا۔ اور پھر بمقتضائے وقت کبھی وجد ہے کبھی کسی صحرا میں تصور یار میں
عرض و معروض ہے کبھی ناصح سے بےزاری کبھی اخلاص جان و مال قربان کرنیکی
تیاری۔ علیٰ ہذا القیاس جو جو کیفیتیں ہوا کرتی ہیں ؛۔

صوم

سو پہلی بات کے مقابلہ میں اور اُسکے قائم مقام تو روزے ہیں جس میں اس بات
کی طرف اشارہ ہے کہ غلبہ محبت الٰہی میں نہ کھانے سے مطلب رہا نہ پینے کی حاجت نہ مرد
کو عورت سے غرض نہ عورت کو مرد کا خیال اور جب انھیں باتوں سے دست برداری
ہے تو اور کیا رہ گیا سوا اُن کے جو کچھ ہے یا ان کے حاصل کرنے کے سامان ہیں جیسے کھیتی
نوکری تجارت۔ مزدوری۔ یا انکا نتیجہ ہے جیسا دوائی امراض جو کھانے پینے وغیرہ سے حادث ہوتی ہیں

حج یعنی احرام۔ طواف۔ وقوف عرفہ۔ رمی جمار و قربانی

اور دوسری بات کے مقابلہ میں اول تو بتقاضائے شوق اُسطرف
کی راہ لیتے ہیں جہاں تجلی ربانی ہو۔ اور پھر وہ بھی اس کیفیت سے
کہ نہ سر کی خبر نہ پاؤں کا ہوش نہ ناخنوں کی پرواہ نہ بالوں کی غور و پرداخت سر برہنہ
پا برہنہ، ناخن بڑھے ہوئے بال بڑھے ہوئے پریشان صورت، نعرہ زناں چلا جاتا ہے۔ اُسکو اہل اسلام احرام
کہتے ہیں اور وہاں جاکے کبھی وجد میں گھومتا ہے اور کبھی ادھر سے اُدھر نکل جاتا ہے
اور اُدھر سے ادھر نکل آتا ہے اسکو طواف کہتے ہیں۔ اُسکے بعد صحرائے عرفات میں
تضرع و زاری ہے اور پھر ناصح ناداں یعنی شیطان کے خاص مکان پر سنگ باری
ہے اور چونکہ عاشق کے حق میں نصیحت ایسی ہی جیسے جلتے توے پر پانی ڈالدیجئے

تو اسلئے بعد سنگباراں بتقاضائے اخلاص جان و مال کے فدا کرنیکی تیاری یعنی قربانی ہے اور جاں فشانی ہے اس قسم کی عبادت کو حج کہتے ہیں۔

حکمت توالی رمضان واشہر الحج

مگر غیر محبوب سے بے غرضی جس کے مقابلہ میں رمضان کے روزے ہیں اور شوق و محبت و وجد و تضرع و اخلاص میں باہم ارتباط تھا۔ اسلئے بعد رمضان ہی احرام کے شروع کرنیکے دن ہیں یعنی شوال و ذیقعدہ عشرۂ ذی الحجہ کو اس کام کیلئے رکھا

نماز و زکوٰۃ و صوم و حج کا ارتباط

الغرض ادھر تو نماز و زکوٰۃ میں باہم ارتباط ہی اور ادھر روزوں اور حج میں باہم ارتباط ہی۔ اتنا فرق ہی کہ وہاں اصل عبادت جو بجمیع الوجوہ عبادت ہے یعنی نماز مقدم ہی اور زکوٰۃ جو بوجہ فرمانبرداری عبادت ہی اسکی تابع اور اُسکے بعد اور یہاں رمضان کے روزے جو حقیقت میں عبادت نہیں ورنہ خدا کو معبود ہو کر عابد ہونا پڑیگا کیونکہ وہ بھی نہ کھائے نہ پیئے نہ عورت کے پاس جائے بلکہ بوجہ فرمانبرداری عبادت ہے مقدم ہیں۔ اور حج جو اصل میں عبادت ہے اور بجمیع الوجوہ اُسکا عبادت ہونا ظاہر ہے چنانچہ ظاہر ہے اس سے موخر وجہ اسکی خود ظاہر ہے وہاں تو نماز کے بعد منصب نیابت و خدمت گذاری میسر آتا ہے۔ اور یہاں عشق کی اول منزل یہ ہی ہے کہ غیر خدا پر خاک ڈالئے۔

حسن اخلاق آثار حب فی اللہ سے ہیں اور جہاد و مناظرہ آثار بغض فی اللہ سے

اس کے بعد اور سنیئے جب بندہ مملوک اور محکوم خدا ٹھہرا ادھر خدا کا محب و مخلص بنا تو بالضرور دو باتیں اُس کو بتقاضائے غلامی و محبت کرنی پڑینگی ایک تو جو خدا کے دوست ہوں جان و مال سے انکی مدد کرے اور جو خدا کے دشمن ہوں انکی جان و مال کی تاک میں رہے اور انکی تذلیل سے نہ چوکے پہلے کو حب فی اللہ اور دوسری کو بغض فی اللہ کہتے ہیں، سخاوت، مروت،

ایثار حسن اخلاق، وحیا وصلہ رحمی، عیب پوشی، نصیحت، خیر خواہی وغیرہ اہل اسلام
کے ساتھ اول سے متعلق ہیں اور جہاد اور جزیہ کا لینا اور غنیمت کا لینا اور مناظرہ وغیرہ
دوسرے سے متعلق ہیں ۔

شرک فی العبادۃ کی تفسیر

اور سنیے ان سب باتوں کو اگر غیر خدا کی خوشنودی کیلئے کرے
اور نیت عبادت ہو تو یہ سب کی سب باتیں شرک ہو جائیں گی۔ ورنہ نماز کے ارکان
اور حج کے ارکان تو شرک ہونگے اور چیزوں کے ادا کرنے میں بغیر نیت عبادت شرک
نہ بنے گا وجہ اس تفریق کی یہ ہی ہے کہ اصل عبادت یہ دو ہی باتیں ہیں اور ان کی
ہر ہر بات خدا کی عظمت اور اُسکے مطاع ہونے پر دلالت کرتی ہے ۔

رکن ثانی ضرورت رسالت

ان تقریرات لطیفہ کے بعد پھر یہ گذارش ہے کہ خداوند عالم جب حاکم
اور مطاع و محبوب ٹھہرا تو اُسکی رضا جوئی ہمارے ذمہ فرض ہوئی اور اسکی رضا کے موافق
کام کرنا ہمارے ذمہ لازم ہوا۔ مگر یہ بات بے اطلاع رضا و غیر رضا متصور نہیں۔ مگر رضا
کی اطلاع کا یہ حال ہے کہ ہماری تمھاری رضا غیر رضا بھی بدون ہمارے بتلائے کسی کو
معلوم نہیں ہو سکتی۔ خداوند عالم کی رضا غیر رضا بے اُسکے بتلائے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے
یہاں تو یہ حال کہ ہم جسمانی ہیں اور جسم سے زیادہ کوئی چیز ظاہر نہیں۔ پھر اس پر یہ حال ہے
کہ سینے سے سینہ ملا دیں اور دل کو چیر کر دکھلا دیں تو بھی دل کی بات دوسرے کو معلوم
نہیں ہو سکتی خدائے عالم تو سب سے زیادہ لطیف ہے اسی وجہ سے آج تک کسی کو
دکھلائی نہیں دیا پھر اُسکے دل کی بات بے اسکے بتلائے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے۔ اور ایک وہ
بات اگر بدلائل عقل سلیم کسی کے نزدیک لائق امر و نہی خداوندی معلوم بھی ہوں تو اول

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خداوند عالم قابلیت امر و نہی کا پابند ہی رہے۔ کیا عجب ہے کہ بوجہ خود مختاری و بے نیازی ادہر کچھ حکم دیدے علاوہ بریں اس قسم کے علم اجمالی سے کیا کام چلتا ہے جبتک تفصیل اعمال من اوّلہا الی آخرہٖ معلوم نہ ہو جاے تعمیل حکم نہیں ہو سکتی۔ اسلئے اُسکی انتظار کا ارشاد ہے مگر اُسکی شان عالی کو دیکھئے تو یہ بات کب ہو سکتی ہے کہ خداوند عالم ہر کس و ناکس کو اپنی رضا غیر رضا کی خبر دے اور ہر کسی کو منہ لگائے بادشاہان دنیا اس تھوڑی سی خوف پر اپنے ہی بنی نوع سے نہیں کہتے۔ دوکان دوکان اور مکان مکان پر کہتے ہیں پھرتے۔ مقربان بارگاہی سے کہدیتے ہیں۔ وہ اوروں کو سنا دیتے ہیں۔ اور بذریعہ اشتہارات و منادی اعلان کرا دیتے ہیں۔ خداوند عالم کو ایسا کیا کم سمجھ لیا ہے کہ وہ ہر کسی سے کہنا پھرے وہاں بھی یہی ہوگا کہ اپنے مقربوں اور اپنے خواصوں سے فرمائے اور وہ اُوروں کو پہنچا دیں

ایسے لوگوں کو اہل اسلام انبیاء اور پیغمبر اور رسول کہتے ہیں

عصمت انبیاء علیہم السلام

لیکن دنیا کے تقرب اور خواصی کیلئے سراپا اطاعت ہونا ضرور ہے۔ اپنے مخالفوں کو اپنی بارگاہ میں کون گھسنے دیتا ہے اور مسند قرب پر کون قدم رکھنے دیتا ہے اسلئے یہ ضرور ہے کہ وہ مقرب جنپر اسرار ما فی الضمیر آشکارا کئے جائیں یعنی اصول احکام سے اطلاع دیجائے ظاہر و باطن میں مطیع ہوں۔ مگر جس کو خداوند علیم و خبیر باعتبار ظاہر و باطن مطیع و فرمانبردار سمجھیگا اسمیں غلطی ممکن نہیں۔ البتہ بادشاہان دنیا موافق و مخالف و مطیع و عاصی و مخلص و مکار کے سمجھنے میں بسا اوقات غلطی کھا جاتے ہیں۔ اسلئے یہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جسکو مطیع و مخلص سمجھا تھا وہ ایسا نہ نکلے یا بادشاہ کو بوجہ غلطی اُسکی طرف گمان مخالفت و مکاری پیدا ہو جائے اور اسلئے دربار سے نکالا جائے۔ مگر خدا تعالیٰ کی

در گاہ کے مقرب بوجہ عدم امکان غلط فہمی ہمیشہ مطیع و منصب ہی رہینگے ۔۔۔

انبیاء اپنے منصب سے معزول نہیں ہوتے۔ دوزخ جنت کے مالک نہیں۔ گنہگاروں کی شفاعت کرینگے

نظر بریں یہ لازم ہی کہ انبیاءؑ معصوم بھی ہوں۔ اور مرتبہ تقرب نبوت سے برطرف نہ کئے جائیں گو خدمت نبوت کی تخفیف ہو جائے لیکن جیسے مقربان بادشاہی اور خواص سلطانی مطیع و مقرب ہوتے ہیں شریک خدائی نہیں ہوتے۔ اسلئے انکو یہ تو اختیار نہ ہوسکا کہ کسی کو بطور خود جنت یا جہنم میں داخل کریں۔ البتہ بوجہ تقرب یہ ممکن ہی کہ وہ بکمال ادب کسی کی سفارش کریں یا کسی کی شکایت کریں۔ احباب کی سفارش کو جو انبیاءؑ دربارۂ ترقی مدارج یا مغفرت معاصی خدا کی درگاہ میں کرینگے۔ اہل اسلام شفاعت کہتے ہیں

ابطال کفارہ مزعومہ نصاریٰ

الغرض انبیاء کی معصومیت اور انکی شفاعت تو قرین عقل ہی پر انکی گناہ گاری اور دربارہ عطائے جنت یا ادخال انکی خود مختاری ہرگز قرین عقل نہیں اور نہ یہ بات عقل میں آسکتی ہی کہ کسی کی عوض کوئی جنت میں چلا جائے اور کسی کی عوض کوئی دوزخ میں رہ جائے وجہ اسکی یہ ہی کہ محبت اور عداوت کیلئے کوئی وجہ ضرور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس انعام اور سزا کیلئے سبب کی حاجت ہی۔ جہاں جہاں وہ اسباب موجود ہونگے وہاں وہاں محبت اور عداوت ہوگی وہاں وہاں عنایت اور التفات اور کشیدگی اور انقباض بھی ضرور ہوگا یہ نہیں ہوسکتا کہ حسن جمال اور حسن خصال اور قرابت اور کمال اور احسان اور اعطاء مال تو کوئی کرے۔ اور محبت ان سے ہو جائے جن کی صورت اچھی نہ سیرت بھلی۔ قرابت ہی نہ کمال ہی احسان ہی نہ عطاء مال ہی۔ اجنبی در اجنبی احسان کے بدلے نقصان راحت کے عیوض ایذا بھلائی کی عیوض برائی کرتے رہتے ہیں۔

باوجود اتنی ناانصافیوں کے یہ بات تو بنی آدم میں بھی نہیں۔ خداوند داد گر میں یہ بات کیونکر ہو سکتی ہے۔ اسلئے یہ ممکن نہیں کہ اطاعت کوئی کرے اور ثواب کا مستحق کوئی ہوجائے گناہ کوئی کرے اور سزا کسی کو دی جائے تابعداری تو انبیاؑ کریں اور مرحوم امتی ہوجائیں اور گناہ و تقصیر تو امتی کریں اور ملعون انبیاء علیہم السلام ہوجائیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اور انبیاؑ بدستور ویسے ہی بارگاہ قرب میں اپنی شان و عظمت کے ساتھ موجود ہیں نہ کبھی وہ عذاب میں گرفتار ہوئے نہ ہوں انشاءاللہ تعالیٰ۔

اے حضرات نصاریٰ یہ سخت گستاخی ہے۔ جو تم صاحب حضرت عیسیٰؑ کی نسبت تجویز کرتے ہو۔

مدار نبوت تین کمالوں پر ہے

اس تقریر کے ملاحظہ کرنیوالوں کو یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ نبوت کیلئے اول یہ ضرور ہے کہ ظاہر و باطن میں موافق مرضی خداوندی ہوں اور ظاہر و باطن سے اطاعت خدا کیلئے تیار ہوں اسلئے کہ جو اپنے موافق مرضی ہوتا ہے وہ ہی مقرب ربانی ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص ظاہر و باطن دونوں طرح مطیع و فرماں بردار ہو وہی شخص حاکم باتخت خدا ہو سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بے تقرب بادشاہ سے کلام و گفتگو کوئی نہیں کر سکتا اور بے تقرب جو مدار بادشاہی کسی کے پاس سلام و پیام بادشاہی نہیں لا سکتا ہے اسی طرح بے تقرب شرف ہم کلامی خداوندی میسر نہیں آسکتی اور بے تقرب ربانی ملائکہ سلام و پیام خداوندی نہیں لا سکتے۔ مگر بنائے تقرب جب موافق مرضی پر ہوئی تو بالضرور نبی میں تین باتیں ضرور ہونگی:۔

محبت خداوندی

اول تو یہ اخلاص و محبت خداوندی اسقدر ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجائش ہی نہ ہو

اخلاق حمیدہ | دوسرے یہ کہ اخلاق حمیدہ و پسندیدہ ہوں کیونکہ ہر شخص اور ہر کام کرنیوالا بھی
اخلاق کے موافق اور مناسب کام کیا کرتا ہے سخی دیا کرتا ہے بخیل جمع کیا کرتے ہیں۔ خوش
اخلاق اخلاق سے پیش آتے ہیں اور راحت پہنچاتے ہیں، اور بد اخلاق بدی سے پیش آتے
ہیں اور ایذا دیا کرتے ہیں۔ اسلئے ہر کار ایک خصلت سے مربوط ہوگا۔ اگر اچھی خصلت سے
مربوط ہے تو اچھا ہوگا بُری سے مربوط ہے تو بُرا ہوگا اور اخلاق کا اچھا بُرا ہونا اس پر منحصر ہے
کہ خدا کے اخلاق کے موافق یا مخالف ہو جو خلق موافق ہوگا وہ اچھا سمجھا جائیگا جو مخالف
ہوگا وہ بُرا ہوگا۔ اسلئے جو باتیں موافق اخلاق خداوندی ہوں اُنکو بُرا کہنا بجز ناقص
فہموں کے اور کسی کا کام نہیں۔ مثلاً خداوند عالم بالاتفاق سب کے نزدیک اچھوں سے
خوش ہوتا ہے اور بروں سے ناخوش ان کو انعام دیتا ہے اُن کو سزا پہنچاتا ہے۔ پھر
جو شخص ہو بہو ایسا ہو اُسکو اوروں سے کامل اور جان و دل سے محبوب رکھنا چاہیئے نہ یہ کہ
بجائے محبت عداوت اور بجائے تعریف اُس میں عیب نکالنے لگیں۔ اس وقت
یہ حضرات نصاریٰ کا اعتراض جہاد جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کرتے
ہیں سراسر ناانصافی ہوگی یہ دو باتیں یعنی اعمال اور اخلاق تو ایک قسم کی باتیں ہیں یعنی
کرنے کی باتیں ہیں اور معاملات سے متعلق ہیں :۔

کمال عقل و فہم | تیسری بات جو از قسم دوم ہے وہ خوبی عقل و فہم ہے کیونکہ اول تو بدفہمی خود
ایک ایسا عیب ہے کہ کیا کہئے دوسرے تقرب مقربین خود اسی غرض سے ہوتا ہے کہ بات
کہئے تو سمجھ جائیں اور سمجھکر خود بھی تعمیل کریں اور اوروں سے بھی کرائیں :۔

عقل و فہم امت انبیاء کے عقل و فہم کا پرتو ہے | اس لئے انبیاء علیہم السلام خدا اور امت کے بیچ میں ایسی ہونگی جیسے

آفتاب کی اور زمین کے بیچ میں قمر یعنی جیسی نور قمر آفتاب سے ماخوذ ہوتا ہی اور زمین تک پہنچتا ہے
اور در حقیقت مادہ نورانی زمین وہ نور قمر ہی ہوتا ہے ایسے ہی مادہ علم و فہم امت انبیاءؑ
جہد سے ماخوذ ہوتا ہے۔ مگر مادہ علم و فہم وہی عقل ہی۔ اس صورت میں عقل و فہم امت
بضرور مثل چاندنی جو پرتوہ نور قمر ہوتی ہی پرتوہ عقل و فہم انبیاء علیہم السلام ہوگا۔

حیات امت انبیاءؑ کی حیات کا پرتوہ ہے

اور اس وجہ سے یہ لازم ہی کہ مادہ حیات امت بھی انبیاءؑ کی حیات سے ماخوذ ہو کیونکہ عقل حیوٰۃ سے جدی نہیں ہو سکتی یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ حیوٰۃ نہ ہو
اور عقل ہو۔

تمام اخلاق امت اخلاق انبیاءؑ سے ماخوذ ہیں

اور جب حیوٰۃ امت حیات انبیاء سے ماخوذ ہوئی تو بالضرور تمام اخلاق امت اخلاق انبیاءؑ سے ماخوذ ہونگے۔ بشرطیکہ امت گمراہ نہ ہو
کیونکہ امت گمراہ حقیقت میں امت ہی نہیں ہوتی۔

مثال امت

بالجملہ امت اور نبی میں یہ فرق ضرور ہی اس لئے امت کی فہم اور اُن کے اخلاق
اور اعمال اگر اچھے بھی ہوئے تو ایسے ہونگے جیسے زمین کا چاندنا اپنی ذات سے اچھی چیز ہے مگر
مثل نور قمر دوسروں تک نہیں پہنچ سکتا اور اگر پہنچا بھی تو ایسا پہنچتا ہے جیسے چاندنی زمین
میں زمین کی چاندنی کے باعث دالان کے اندر اجالا ہو جاتا ہے۔

تفاضل افراد امت

الغرض بنائے تقرب ان تین باتوں پر ہے بشرطیکہ اور ونکا مادہ فہم و اخلاق
ان کے فہم و اخلاق سے ایسی نسبت رکھتا ہو جیسی معروض ہوا۔ اُسکے بعد تفاوت اخلاق امت
ایسا ہوگا جیسا اشیائے مختلف الالوان کا ایک نور سے مختلف طور سے اچھا برا معلوم ہوتا۔

معجزہ ثمرہ نبوت ہے نہ مدار نبوت

الغرض اصل نبوت تو ان دو باتوں کا مقتضی ہی کہ فہم سلیم و اخلاق حمیدہ

اس قدر ہوں۔ رہے معجزات وہ بعد عطائے نبوت عطا کرتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ جیسے اظہار معجزات کے امتحان میں نمبر اول پایا اسکو نبوت عطا کی ورنہ ناکام رہا چنانچہ ظاہر ہے اسلئے اہل عقل کو لازم ہو کہ اول فہم واخلاق واعمال کو میزان عقل میں تولیں اور پھر بولیں کہ کون نبی ہے اور کون نہیں۔

ایمان بجمیع انبیاء بلا تفریق

اہل اسلام تو سب ہی انبیاء علیہم السلام کی درم ناخریدہ غلام ہیں خاص کر ان میں ان الوالعزموں کی جن کی تاثیر اور اولوالعزمی اور علو ہمت سے دین خداوندی نے بہت شیوع پایا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ کیونکہ انبیاء کا اعتقاد اور محبت اہل اسلام کے نزدیک جزو ایمان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم افضل الانبیاء ہیں

مگر ان سب اور باقی تمام انبیاء سے بڑھکر حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو سمجھتے ہیں اور ان کو سب میں افضل اور سب کا سردار جانتے ہیں اہل انصاف کیلئے تو بشرط فہم سلیم موازنہ احوال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور احوال دیگر انبیاء کافی ہی۔ ملک عرب کی جہالت اور درشت مزاجی اور گردن کشی کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ نہ کوئی کتاب آسمانی ہو نہ غیر آسمانی اور اخلاق کا یہ حال کہ قتل کر دینا ایک بات ہو، فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کسی بادشاہ کہ کبھی مطیع نہ ہوئے۔ جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے خشک ملک میں شاد و خرم عمر گذاریں۔ ایسی جاہلوں گردن کشوں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا۔ چہ جائیکہ علوم الٰہیات و اخلاق و سیاست مدن میں اور علم معاملات و عبادات میں رشک افلاطون و ارسطو و دیگر حکمائے نامدار بنا دیا۔

اعتبار نہ ہو تو اہل اسلام کی کتب اور ان کی کتب کو موازنہ کر کے دیکھیں بمطالعہ کتان کتب فریقین کو معلوم ہو گا کہ ان علوم میں اہل اسلام تمام عالم کے علماء پر سبقت لیگئے نہ یہ تدقیقات کہیں ہیں نہ یہ تحقیقات کہیں ہیں۔ جن کے شاگردوں کے علوم کا یہ حال ہے خود موجد علوم کا کیا حال ہو گا۔ اگر یہ بھی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے ؛۔

معجزات علیہ کا معجزات عملیہ سے افضل ہونا

صاحبو انصاف کرو تو معلوم ہو کہ یہ معجزہ اور انبیاء کے معجزات سے کس قدر بڑھا ہوا ہے سب جانتے ہیں کہ علم کو عمل پر شرف ہی یہ ہی وجہ ہے کہ ہر فن میں اس فن کا استادوں کی تعظیم کیجاتی ہے ہر ہر سررشتہ میں افسروں کو باوجودیکہ اُن کے کام میں بمقابلہ خدمات اتباع بہت کم محنت ہوتی ہے تنخواہ زیادہ دیتے ہیں یہ شرف علم نہیں تو اور کیا ہے۔ خود انبیاء ہی کو دیکھو۔ امتی آدمی بساوقات مجاہدہ وریاضت میں اُن سے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر مرتبہ میں انبیاء کے برابر نہیں ہوسکتے وجہ انکی بجز شرف علم و تعلیم اور کیا ہے الغرض بوجہ علم و تعلیم ہی انبیاء امتیوں سے ممتاز ہوتے ہیں بوجہ عبادت وریاضت ممتاز نہیں ہوتے۔ مگر جب یہ ہے تو پھر علم عمل سے بالضرور افضل ہو گا۔ اس لئے معجزات علمیہ معجزات عملیہ سے کہیں زیادہ ہونگے

معجزات علمیہ و عملیہ کی تفسیر

مگر معجزات عملی اسکو کہتے ہیں کہ کوئی شخص دعوی نبوت کر کے ایسا کام کر دکھائے کہ اور سب اس کام کے کرنے سے عاجز آجائیں اسصورت میں معجزات علمی اسکا نام ہوگا کہ کوئی شخص دعویٰ نبوت کر کے ایسے علوم ظاہر کرے کہ اور اقران وامثال اُسکے مقابلہ میں عاجز آجائیں ؛۔

تفاضل علوم باعتبار تفاضل معلومات

مگر علوم میں بھی فرق ہے یعنی جیسے گلاب ہو یا پیشاب ہو

دیکھنے میں دونوں برابر ہیں مگر سمجھ کر دیکھتے ہیں اس میں اتنا تفاوت ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ ایک پاک اور خوشبودار دوسرا ناپاک اور بدبودار۔ ایسی ہی علم صفات خداوندی اور علم اسرار احکام خداوندی اور علم معلومات باقیہ میں یہ ہی فرق ہے بلکہ غور سے دیکھو تو اس سے زیادہ فرق ہے اس لئے کہ گلاب و پیشاب میں اتنا تو اتحاد ہے کہ یہ بھی مخلوق وہ بھی مخلوق۔ خالق اور مخلوق میں تو اتنا بھی اتحاد ومناسبت نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیاں اور انبیاء سے بڑھکر ہیں

ادھر دیکھئے علم وقائع میں بھی باہم فرق ہے دنیا کے وقائع کی اگر کوئی شخص خبر دے تو پھر وری ہی کی خبر دیتا ہے پر جو شخص وقائع آخرت کی خبر دیتا ہے وہ دور تک کی خبر دیتا ہے اور چونکہ خبر مستقبل کا اعجاز بہ نسبت ماضی کے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ یہاں تو کسی قسم کی اطلاع کا بھی احتمال ہے پر مستقبل میں یہ احتمال بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے جو شخص کثرت سے امور مستقبلہ کی خبر دے اور امور مستقبلہ بھی بہت دور دور کے بیان کرے تو اسکا اعجاز علم وقائع بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہوگا اب دیکھئے کسکی پیشینگوئیاں زیادہ ہیں اور پھر وہ بھی کہاں کہاں تک اور کس کسقدر دور دراز زمانہ کی باتیں ہیں۔ رہا یہ احتمال کہ آخرت تک پیشین گوئیوں کا صدق اور کذب کسکو معلوم ہے اسکا یہ جواب ہے کہ کوئی پیشینگوئی کیوں نہ ہو قبل وقوع سب کا یہ ہی حال ہوتا ہے گو دو چار گھڑی پیشتر کی ہے تو اکثر حاضرین کو معلوم ہوگا۔ ورنہ بیان کسی کے سامنے کی جاتی ہے اور ظہور کسی کے سامنے ہوتا ہے۔ توراۃ کی پیشینگوئیوں کو دیکھ لیجئے بعض بعض تو اب تک ظہور میں نہیں آئیں بہرحال پیشینگوئیاں اگلے ہی زمانہ میں جاکر معجزہ ہو جاتی ہیں یعنی انکا معجزہ ہونا اگلے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے مگر ایک دو کا صدق بھی اونکی تصدیق

کیلئے کافی ہوتا ہی۔ ادھر اور قرائن صادقہ اور معجزات دیگر اُسکی تصدیق کرتے ہیں اور اسلئے قبل ظہور موجب یقین ہو جاتی ہیں۔ ہاں زمانہ ماضی کی باتیں بشرطیکہ وجود اطلاع خارجی مفقود ہو، بیشک اُسی وقت معجزہ سمجھے جائیں گے۔ بالجملہ ہمارے پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشینگوئیاں بھی اسقدر ہیں کہ کسی اور نبی کی نہیں کسی صاحب کو دعویٰ ہو تو مقابلہ کرکے دیکھیں جن میں سے کثرت سے صادق بھی ہو چکی ہیں مثلاً خلافت کا ہونا حضرت عثمانؓ اور حضرت حسینؓ کا شہید ہونا اور حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر دو گروہ اعظم کا صلح ہو جانا۔ ملک کسریٰ اور ملک روم کا فتح ہونا۔ بیت المقدس کا فتح ہو جانا۔ مروانیوں اور عباسیوں کا بادشاہ ہونا نار حجاز کا ظاہر ہونا ترکوں کے ہاتھ اہل اسلام پر صدمات کا نازل ہونا جیسا چنگیز خاں کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ اور سوا اُن کے اور بہت سی باتیں ظہور میں آچکی ہیں۔ ادھر وقائع ماضیہ کا یہ حال کہ باوجود امی ہونے اور کسی عالم نصرانی یا یہودی کی صحبت کے نہ ہونیکے وقائع انبیاءؑ سابق کے احوال کا بیان فرمانا ایسا روشن ہی کہ بجز متعصب ناانصاف اور کوئی انکار نہیں کرسکتا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق سب سے اعلیٰ تھے

اب اخلاق کو دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں کے بادشاہ یا امیر نہ تھے آپ کا افلاس ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو اس پر ایسے لشکر کی فراہمی جس نے اول تو تمام ملک عرب کو زیر بار کردیا اور پھر فارس اور روم اور عراق کو چند عرصہ میں تسخیر کرلیا اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوائے مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی کسی طرح گوارا نہ کی۔ بجز تسخیر اخلاق اور کسی وجہ پر منطبق نہیں ہوسکتی القصہ آپ کے علم و اخلاق کی دلائل قطعیہ کے آثار تو اب تک موجود ہیں ایسے بھی کوئی نہ مانے تو وہ جانے

باعتبار حاوی علوم کثیرہ ہونیکے قرآن شریف کا اعجاز

علاوہ بریں قرآن شریف جسکو تمام معجزات علمی میں بھی افضل

واعلیٰ کیہی ایسا برہان قاطع کہ کسی سے کسی بات میں اس کا مقابلہ نہ ہو سکا۔ علوم ذات وصفات وتجلیات ومبدء خلائق، وعلم برزخ وعلم آخرۃ وعلم اخلاق وعلم احوال وعلم افعال وعلم تاریخ وغیرہ اسقدر ہیں کہ کسی کتاب میں اسقدر نہیں کسی کو دعوی ہو تو لاوے اور دکھائے

باعتبار فصاحت وبلاغت قرآن شریف کا اعجاز

اس پر فصاحت وبلاغت کا یہ حال کہ آج تک کسی سے مقابلہ نہ ہو سکا مگر ہاں جیسے اجسام ومحسوسات کی حسن وقبح کا ادراک تو ایک نگاہ اور ایک توجہ میں بھی متصور ہے اور روح کی کمالات کا ادراک ایک بار متصور نہیں ایسی ہی اُن معجزات علمی کی خوبی جو متضمن علوم عجیبہ ہوں ایک بار متصور نہیں مگر ظاہر ہے کہ یہ بات کمال لطافت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ نقصان پر۔

قرآن شریف کی فصاحت وبلاغت صاحب ذوق سلیم بداہۃً سمجھ سکتا ہے۔

بالجملہ اگر کسی بلید کم فہم کو وجوہ فصاحت وبلاغت قرآنی ظاہر نہ ہوں تو اس سے اُسکا نقصان لازم نہیں آتا کمال ہی ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ بریں عبارت قرآنی ہر کس وناکس رند بازاری کی نزدیک بھی اسی طرح اور عبارتوں سے ممتاز ہوتی ہے جیسے کسی خوشنویس کا خط بدنویس کے خط سے پھر جیسے تناسب خط وخال معشوقاں اور تناسب حروف خط خوشنویساں معلوم ہو جاتا ہے اور پھر کوئی اسکی حقیقت اس سے زیادہ نہیں بتا سکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہے۔ ایسے ہی تناسب عبارتِ قرآنی جو وہی فصاحت وبلاغت ہے ہر کسی کو معلوم ہو جاتا ہے پر اُسکی حقیقت اس سے زیادہ کوئی نہیں تبلا سکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہے۔

قرآن شریف کلام الٰہی ہے اور توراۃ انجیل کتب الٰہی

الغرض معجزات علمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے زیادہ ہیں کیونکہ کلام ربانی اور کسی کیلئے تا نازل نہیں ہوا۔ چنانچہ خود

اہل کتاب اس بات کے معترف ہیں کہ الفاظ توریت وانجیل منزل من اللہ نہیں۔ وہاں پر فقط الہام معانی ہوا۔ اور یہاں اکثر انبیاء یا حواریوں نے انکو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ اور اپنا یہ اعتقاد ہی کہ الفاظ کتب سابقہ بھی اسی طرف سے ہیں پر وہ مرتبہ فصاحت و بلاغت جو منسوب شان خداوندی ہے اور کتابوں میں اس لئے نہیں کہ انکا مہبط خود صفت کلام خداوندی نہیں یا یوں کہو کہ عبارت ملائکہ ہی گو مضامین خداوندی ہیں اور شاید یہی وجہ ہی کہ توریت وانجیل کی نسبت قرآن و حدیث میں کتاب اللہ کا لفظ آتا ہی کلام اللہ کا لفظ نہیں آتا اگر ہی تو ایک جا ہی مگر وہاں دو احتمال ہیں ایک تو یہی توریت دوسری وہ کلام جو بعض بنی اسرائیل نے بمعیتہ حضرت موسی علیہ السلام سنے تھے۔ اگر وہ کلام ہی تو اس سے توریت کا عبارت خداوندی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور خود توراۃ مراد ہی تو وہ کلام ایسی سمجھو جیسے بعض شاعر گنوار دل سے انہیں کے محاوروں میں گفتگو کرنے لگتے ہیں مگر ظاہر ہی کہ اس وقت کلام شاعر مذکور اگرچہ بظاہر کلام شاعر ہی سمجھی جائیگی مگر منشاء اس کلام کا اسکا وہ کمال نہ ہوگا جسکو کمال شاعرانہ اور قوت فصاحت و بلاغت کہتے ہیں۔ ایسے ہی تورات کو بھی بہ نسبت خدا خیال فرمایئے اور شاید یہی وجہ ہو کہ دعوی اعجاز توریت وانجیل نہ کیا گیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس معجزہ سے بڑھکر اور کوئی معجزہ نہ تھا۔ چنانچہ اوپر معروض ہو چکا۔

صاحب اعجاز علمی کا صاحب اعجاز عملی سے افضل ہونا

اور یا بوجہ کہ علم تمام اُن صفات سے اعلی ہو جو مربی عالم ہیں یعنی ان صفات کو عالم سے تعلق ہی جیسے علم و قدرت ارادہ مشیتہ کلام کیونکہ علم کو معلوم اور قدرت کو مقدور اور ارادہ کو مراد اور مشیت کو مرجوح اور کلام کو مخاطب کی ضرورت ہی۔ اسلئے وہ نبی جسکے پاس معجزہ علمی ہو تمام اُن نبیوں سے اعلی درجہ میں ہوگا جو معجزہ عملی رکھتے ہونگے کیونکہ جس درجہ کا معجزہ ہوگا وہ معجزہ اس بات پر دلالت کریگا

کہ صاحب معجزہ اس درجہ میں یکتائے روزگار ہی اور اس فن میں بڑا سردار ہی اسلئے ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضلیت کا اقرار بشرط فہم و انصاف ضرور ہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا۔

علی ہذا القیاس جب یہ دیکھا جاتا ہی کہ علم سے اوپر کوئی ایسی صفت نہیں جسکو عالم سے تعلق ہو۔ تو خواہ مخواہ اس بات کا یقین پیدا ہوجاتا ہی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تمام مراتب کمال ایسی طرح ختم ہوگئے جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہوجاتے ہیں اسلئے جیسے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہہ سکتے ہیں مگر جس شخص پر مراتب کمال ختم ہوجائینگے تو بایں وجہ کہ نبوت سب کمالات بشری میں اعلیٰ ہی چنانچہ مسلم بھی ہے اور تقریر متعلق بحث تقرب بھی جو اوپر گذر چکی ہے اُس پر شاہد ہے۔

تمام اہل مذاہب پر آپکا اتباع ضروری ہے۔

اسلئے آپ کے دین کے ظہور کے بعد سب اہل کتاب کو بھی انکا اتباع ضروری ہوگا کیونکہ حاکم اعلیٰ کا اتباع تو حکام ماتحت کے ذمہ بھی ہوتا ہی رعایا تو کس شمار میں ہیں۔ علاوہ بریں جیسے لارڈ لٹن کے زمانہ میں لارڈ لٹن کا اتباع ضروری ہی اُسوقت احکام لارڈ نارتھ بروک کا اتباع کافی نہیں ہوسکتا اور نہ اسکا اتباع باعث نجات سمجھا جاتا ہی ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بابرکات میں انکے بعد انبیاء سابق کا اتباع کافی اور موجب نجات نہیں ہوسکتا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق

اور یہی وجہ ہوئی کہ سوائے آپکے اور کسی نبی نے دعوی خاتمیت کیا بلکہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ جہان کا سردار آتا ہی خود اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ خاتم نہیں کیونکہ حسب اشارہ مثال خاتمیت بادشاہ خاتم وہی ہوگا۔ جو سارے جہان کا سردار ہو اسوجہ سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو سب میں افضل سمجھتے ہیں پھر آپکا خاتم ہونا آپکے سردار ہونے پر دلالت کرتا ہی اور بقرینہ دعوی خاتمیتہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منقول ہی یہ بات یقینی سمجھتے ہیں کہ وہ جہان کے سردار جن کی خبر حضرت عیسیٰ دیتے ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ؛۔

تحقیق نسخ

رہا یہ شبہہ کہ یہ صورت نسخ احکام کی ہی۔ اور نسخ احکام چونکہ غلطی حکم اول پر دلالت کرتا ہی اور خدا کے علوم اور احکام میں غلطی متصور نہیں اسلئے یہ بات بھی غلط ہوگی کہ سوائے اتباع محمدی اور کسی طرح نجات متصور نہیں ؛۔

اسکا جواب یہ ہی کہ نسخ فقط تبدیلی احکام کو کہتے ہیں غلطی کا اشارہ اس میں سے سمجھہ لینا سخت ناانصافی ہے یہ لفظ عربی ہی اسکے معنی ہم سے پوچھنے تھے پھر اعتراض کرنا تھا۔ سنئے خدا کے احکام کا نسخ اس قسم کا ہوتا ہے جیسے طبیب کا منضج کے نسخہ کی جگہ مسہل کا نسخہ لکھدینا چنانچہ وہ تقریر بھی جسمیں خدا کے احکام کا بندوں کے حق میں نافع ہونے اور اُسکی مناہی کا انکے حق میں مضر ہونیکی طرف اشارہ کرچکا ہوں اور اُسکے ساتھ ہی طبیب کی مثال عرض کرچکا ہوں اس مضمون کیلئے مؤید ہے۔

نسخ میں اختلاف لفظی ہی۔

الغرض تبدیلی احکام خداوندی مثل تبدیلی احکام حکام دنیا بوجہ غلطی فہم نہیں ہوتی بلکہ اس غرض سے ہوتی ہے کہ مثل منضج حکم اول کا زمانہ نکل گیا۔ اور مثل مسہل حکم ثانی کا زمانہ آگیا اور اس قسم کے تبدل احکام کے اقرار سے حضرات نصاریٰ بھی منحرف نہیں ہوسکتے چنانچہ بعض احکام تورات کا بوجہ انجیل مبدل ہوجانا سب کو معلوم ہی پھر اگر اس قسم کو نصاریٰ نسخ نہ کہیں تنسیخ کہیں۔ تو فقط لفظوں ہی کا فرق ہوگا معنی وہی رہیں گے۔ اور اگر نسخ ہی کہتے ہیں تو چشم ما روشن دل ما شاد ؛۔

حضرت موسیٰ کے کلیم اللہ ہونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مساوات لازم نہیں آتی

اسکے بعد یہ گذارش ہی کہ شاید نصاریٰ کو یہ خیال ہو کہ حضرت موسیٰؑ کا کلیم ہونا اور حضرت عیسیٰؑ کا کلمہ ہونا بھی مسلم ہے پھر بوجہ نزول کلام اللہ محمد یوں ہی کو کیا افتخار رہا تو اُسکا اول تو یہ جواب ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کا کلیم ہونا بایں معنی ہی کہ وہ خدا کی مخاطب تھی۔ اور خدا کی کلام اُنکی کان میں آئی۔ یہ نہیں کہ انکی زبان تک اور انکی منہ تک بھی نوبت پہنچی ہو اور ظاہر ہی کہ کلام فصیح و بلیغ کا کان میں آجانا سامع کا کمال نہیں۔ ورنہ اس حساب سے سب ہی صاحب اعجاز اور صاحب کمال کلام ہو جائیں۔ البتہ کلام بلیغ کا منہ میں آنا اور زبان سے نکلنا البتہ کمال سمجھا جاتا ہی بشرطیکہ اول کسی اور سے نہ سنا ہو فقط خدا ہی کی قدرت و عنایت کا واسطہ ہو۔ سو یہ بات اگر میسر آئی ہی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میسر آئی۔ یہی وجہ ہوئی کہ سوا آپکے اور کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعلق تورات کی پیشینگوئی۔

اس تقریر کے سننے دیکھنے والوں کو انشاء اللہ اس بات کا یقین ہو جائیگا کہ توراۃ کی وہ پیشینگوئی جس میں یہ ہی کہ اُسکی منہ میں اپنی کلام ڈالونگا۔ بلا شبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی شان میں نازل ہوئی ہی۔ اور اسوقت یہ بات بھی آشکارا ہو گئی ہو گی کہ اُس پیشینگوئی میں جو اس فقرہ سے اول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے فرماتی ہیں کہ تجھ جیسا نبی پیدا کرونگا۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ تو اور وہ متساوی المراتب ہونگے بلکہ یہ مطلب ہے کہ کلام ربانی سے تجھے بھی معاملہ پڑا۔ اور اُسے بھی معاملہ پڑیگا مگر چونکہ یہ تشبیہ اگر مطلق رہتی تو کمال مشابہت پر دلالت کرتی جسکا حاصل وہی تساوی مراتب نکلتا۔ اسلئے آگی بطور استثناء و استدراک ارشاد فرمایا کہ اُسکے منہ میں اپنی کلام ڈالونگا تا کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ تم سے افضل ہونگے کیونکہ اسوقت وہ نبی بمنزلہ زبان خدا ہونگے اور

ایسی صورت ہوجائیگی جیسی فرض کیجئے کسی کے سرپر بھوت چڑھ جائے اور وہ اُس وقت کچھ باتیں
کرے یا تاثیر مسمریزم سے کسی عالم کی روح کا پرتوہ کسی جاہل کی روح پر پڑجائے اور اسوجہ سے
علوم کی باتیں کرنے لگے جیسے اسوقت متکلم کوئی اور ہی ہوتاہے پر زبان اُسی شخص کی ہوتی ہے
اور اسی لئے بظاہر یوں ہی کہا جاتاہے کہ یہی شخص باتیں کرتاہے ایسے ہی یہاں بھی خیال
فرما لیجئے اور ظاہر ہے کہ زبان متکلم ہی کی جانب شمار کیجاتی ہے۔ البتہ کان مخاطب کیجانب
شمار کئے جاتے ہیں۔ سو جب متکلم خداوند کریم ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمنزلہ زبان ترجمان
تو بیشک اس حساب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُنکے ساتھ درجہ تساوی میسر نہیں آسکتا۔

مگر جب یہ بات واجب التسلیم ہوئی تو یہ بات آپ چسپاں ہوگئی کہ جو اس نبی کا مخالف ہوگا
اس سے میں انتقام لونگا کیونکہ اُسوقت اُس نبی کی مخالفت کو بہ نسبت اور نبیونکی مخالفت کے
زیادہ تر یوں کہسکتے ہیں کہ خدا کی مخالفت ہے۔ اسلئے خدا ہی انتقام لیگا۔ مگر جس طرح خدا کی
جانب دربارہ کلام وہ شمار کئے گئے ایسے ہی دربارہ انتقام بھی انکو شمار کیجئے اور ان جہادونکو جو خود
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مخالفونکے ساتھ کیے ہیں اس انتقام کا ظہور سمجھ لیجئے۔ گو اور انواع عذاب بھی اُس کا تتمہ ہوں

حضرت عیسیٰ کے کلمۃ اللہ ہونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مساوات لازم نہیں آتی

باقی حضرت عیسیٰ کا کلمہ ہونا مخاطب پر فوقیت رکھیگا متکلم
پر فوقیت اس سے ثابت نہ ہوگی بلکہ کلمہ کا مفعول متکلم ہونا خود
متکلم ہی کی افضلیت پر دلالت کریگا مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متکلم کی
جانب مانا تو وہ ہی افضل ہونگے حضرت عیسیٰ افضل نہ ہونگے ۔۔

تمام کائنات کلمات خدا ہیں

علاوہ بریں تمام انبیاء بلکہ تمام کائنات کلمات خدا ہیں تفصیل
اس اجمال کی یہ ہے کہ کلام حقیقی کلام معنوی ہے الفاظ کو فقط باینوجہ کلام کہدیتے ہیں کہ

کلام معنوی پر دلالت کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر شے کے بنانے سے پہلے اُسکی نسبت کچھ
نہ کچھ سمجھ لینا ضرور ہے۔ اسلئے اول اُس شئی کا وجود ذہن میں ہوگا۔ اُسکے بعد خارج میں ہوگا
اور اسلئے اُس شئی کو کلمہ کہنا ضرور ہوگا۔ اس صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اور اوروں میں
اتنا ہی فرق ہوگا کہ اُن کی نسبت قرآن میں یہ آیا ہے کلمتہ القاھا الی مریم جسکا حاصل یہ ہے
کہ حضرت عیسیٰؑ کلمۂ خدا ہیں خدا نے اُسکو مریم کی طرف ڈال دیا۔ غرض خداوندی یہ ہی تھی
کہ اُن میں کچھ فوقیت نہیں جیسے اور ویسے ہی وہ فقط اتنا ہے کہ بے واسطہ غیر مریم کی
طرف ڈالے گئے مگر اس بیان کے باعث وہ اس خطاب کے ساتھ مشہور ہو گئے۔

اس تقریر کے بعد جب یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ منشاء فیوض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم صفت العلم
ہے اور وہ سب میں اول ہے یہاں تک کہ کلام بھی اسکے بعد میں ہی بلکہ کلام خود اس علم
ہی کے طفیل ظہور میں آتی ہے تو پھر یہ تقریر اور بھی چسپاں ہو جاتی ہے الغرض حضرت عیسیٰ
علیہ السلام اگر مفعول صفت کلام اور ظہور و مظہر صفت کلام ہیں کیونکہ ہر مفعول ظہور و مظہر مصدر
ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ حال دھوپ و زمین سے عیاں ہے۔ اسلئے کہ اول مفعول مطلق ہے دوسرا مفعول بہ؛
وہ ظہور ہے یہ مظہر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظہور و مظہر صفت العلم سمجھیے جو کلام کی بھی اصل ہے

احیاء اموات اثر صفت کلام ہی

یہی وجہ ہی کہ تاثیرات صفت کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰؑ
اور حضرت عیسیٰؑ سے بڑھے ہوئے ہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ کلام خواص حیات میں سے ہے حالت موت میں کلام متصور
نہیں جس میں صفت کلام خداوندی کا زیادہ ظہور ہوگا۔ اسمیں تاثیر احیاء بھی زیادہ ہوگی۔

احیاء اموات میں حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ

حضرت موسیٰؑ سے اگر انکا عصا سانپ بنکر زندہ ہو جاتا تھا تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے پتھر اور سوکھی کھجور کی لکڑی کا ستون

زندہ ہوگیا اور پھر تماشا یہ ہو کہ اپنی وہی ہیئت اصلی رہی۔ اگر کسی جانور کی شکل ہو جاتا
جیسے حضرت موسیٰ ؑ کے عصا کا حال ہوا تو یوں تو کہنے کی گنجائش تھی کہ آخر کچھ نہ کچھ زندوں
سے مناسبت تو ہے مگر سوکھا ستون رویٔ اور درد محبت میں چلائی اس میں ہر گز پہلے
سے کچھ لگاؤ بھی زندگانی کی نہیں۔ اگر ہوتا تو پھر بھی کچھ مناسبت تھی اس پر شوق و ذوق
محبت اور درد فراق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اس سوکھے ستون سے جمعہ کے روز ایک جمِّ
غفیر اور مجمع کثیر میں ظہور میں آیا اور بھی افضلیت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دلالت کرتا ہے
کیونکہ درد فراق اور شوق و اشتیاق مذکور کمال ہی درجہ کا ادراک و شعور پر دلالت کرتا ہی
جس سی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عصائے موسوی کو اس ستون کے ساتھ کچھ نسبت
نہیں وہاں اس اژدہا سی سانپوں کی نوع سی بڑھکر کوئی بات ثابت نہیں ہوئی اور
یہاں وہ وہ آثار حیات اس ستون سے نمایاں ہوئے کہ بجز اہل کمال نوع انسانی اور کسی سے اس کی امید نہیں
علی ہذا القیاس پتھروں کا سلام کرنا اور درختوں کا بعد استماع امر اطاعت کرنا اور
ایک جگہ سی دوسری جگہ جانا اور پردہ کیلئے دو درختوں کا جھک کر ملجانا اس حیات اور اُس
ادراک و شعور پر دلالت کرتا ہی کہ حیوانات سی اُسکی توقع نہیں اگر ہی تو افراد انسانی ہی سی ہے

احیاء اموات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سی مقابلہ	علی ہذا القیاس حضرت عیسیٰ ؑ کا مردوں کو زندہ کرنا یا گارے سے جانوروں کی شکل بنا کر زندہ کر دینا بھی اس قسم کے معجزات نبوی صلعم

کے برابر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مردہ قبل موت زندہ تھا سوکھا درخت تو کبھی زندہ
تھا ہی نہیں ایسے ہی وہ جانور جو حضرت عیسیٰ ؑ بنا کر اڑاتے تھے باعتبار شکل تو انکو
کسی قدر زندوں سے مناسبت بھی۔ یہاں تو یہ بھی نہ تھا پھر فرق ادراک

وشعور اور علاوہ رہا اس پر بھی بوجہ تعصب کوئی شخص اپنی وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہے جائے تو اُسکا کیا علاج منہ کی آگے آڑ نہیں پہاڑ نہیں جو چاہو سو کہو۔ مگر فکر آخرت بھی ضرور ہے

معجزات عملیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاءؑ سے افضل ہیں

اسکے بعد یہ گذارش ہے کہ باعتبار معجزات علمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور انبیاء سے بڑھا رہنا تو بحکم انصاف ظاہر و باہر ہوگیا۔ بلکہ اس ضمن میں بعض معجزات عملی کی رو سے بھی آپ کی فوقیت اور انبیاؑ پر واضح و آشکارا ہوگئی اسلئے کہ درختوں کا چلنا اور ستون کا رونا منجملہ اعمال ہیں منجملہ علوم نہیں۔ گو باین عتبار کہ اعمال اختیاریہ اور دینداری کیلئے اول ادراک و شعور اور حیات کی ضرورت ہے ان اعمال سے اولاً نہیں وقائع میں ظہور معجزہ علمیہ بھی ہوگیا۔

مگر اب اہل انصاف کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ کسی قدر اور گذارش بھی سن لیں تا کہ فوقیت محمدیؐ باعتبار معجزات عملی بھی ظاہر ہو جائے۔

معجزہ تکثیر ماء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر پتھر میں سے پانی نکلتا تھا تو یہاں دست مبارک میں سے نکلتا تھا اور ظاہر ہے کہ پتھر وں سے پانی نکلنا اتنا عجیب نہیں جتنا گوشت و پوست میں سے پانی کا نکلنا عجیب ہے، اس پر حضرت موسیٰؑ کی معجزہ میں پتھر میں سے پانی کے نکلنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم مبارک موسوٰیؑ کا یہ کمال تھا۔ اور یہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دست مبارک محمدیؐ منبع فیوض لا انتہا ہے بلکہ جب یہ دیکھا جائے کہ کسی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لیکر اسپر آپ نے ہاتھ پھیلا دیا جس سے اس قدر پانی نکلا کہ تمام لشکر سیراب ہوگیا اور لشکر کی جانور سیراب ہوگئے تو یہ بات بحکم فہم سلیم سمجھ میں آتی ہے کہ جیسے آئینہ وقت تقابل آفتاب فقط قابل و مفعول ہوتا ہے اور نور افشانی فقط آفتاب ہی کا

کام ہی اور یہ کمال نور اُسی کی طرف سی آیا ہی آئینہ کی طرف سی نہیں یا کائنات الجو اور حوادث
ما بین ارض و سما میں فاعلیت آسمان کی طرف ہی زمین فقط قابل ہی دوسرونکا کمال
لیکن ظاہر کرتی ہی۔ ایسی ہی اس وقت جس وقت آپنے دست مبارک اُس پانی پر رکھا اور
یہ معجزہ تکثیر آب نمایاں ہوا تو یوں سمجھو کہ پانی محض قابل تھا فاعلیت اور ایجاد آپ کی
طرف سی تھا یعنی فاعلیت فاعل حقیقی اور ایجاد موجد حقیقی کے سامنے آپکا دست مبارک
ایک واسطہ فیض اور آلہ ایجاد تھا گو اُس خدا کو بے ان وسائط کے بھی بنانا آتا ہی لیکن
اس میں شک نہیں کہ اس طور سی پانی کا پیدا ہونا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہی۔
کہ جو کچھہ ہوا وہ آپ کے دست مبارک کی تاثیر سی ہوا اور ظاہر ہی کہ حضرت موسیٰ
علیہ السلام کی معجزہ میں یہ خوبی نہیں نکلتی بلکہ فقط ایک قدرت خدا ثابت ہوتی ہے

معجزہ تکثیر طعام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰؑ پر فضیلت

علیٰ ہذا القیاس کنویں میں آپ کے تھوکنے سی پانی کا زیادہ ہوجانا یا کچھہ پڑھنے سی کھانیکا بڑھ جانا بھی آپ کے
کمال جسمی پر دلالت کرتا ہی۔ اور فقط یوں ہی روٹیوں کا زیادہ ہوجانا فقط خدا کی
قدرت ہی پر دلالت کرتا ہی۔ حضرت عیسیٰؑ کی کمال جسمی پر دلالت نہیں کرتا۔ ہاں یہ مسلم کہ
حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے واسطے سی ان امور کا ظہور میں آنا اُن کی تقرب پر دلالت
کرتا ہی۔ اور اسی وجہ سی انکا معجزہ سمجھا جاتا ہی۔ مگر یہ بات تو دونوں جا یعنی حضرت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام میں برابر موجود ہی۔ اور پھر پیغمبر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزہ میں کمال جسمی اور مزید برآں ہے ...

شفاء مرضیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت

علیٰ ہذا القیاس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ

لگانے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا فی الفور صحیح و سالم ہو جانا۔ اور بگڑی ہوئی آنکھ کا آپ کے ہاتھ لگاتے ہی اچھا ہو جانا فقط یوں ہی بیماروں کے اچھے ہو جانے سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ وہاں تو اس سے زیادہ کیا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہتے ہی بیماروں کو اچھا کر دیا۔ کچھ برکت جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں پائی جاتی اور یہاں دونوں موجود ہیں کیونکہ اصل فاعل تو پھر بھی خداوند عالم ہی رہا پر بواسطہ جسم محمدیؐ اس اعجوبہ کا ظاہر ہونا بے شک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کا جسم مقدس منبع البرکات ہے۔

انشقاق قمر کا معجزہ سکون آفتاب یا عود آفتاب سے مقابلہ

اور سنیے حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے آفتاب کا ایک جا پر قائم رہنا یا حضرت یسعیا کیلئے یا کسی اور کیلئے آفتاب کا غروب کے بعد لوٹ آنا اگرچہ معجزہ عظیم الشان ہی مگر انشقاق قمر اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ اول تو حکمائے انگلینڈ اور فیثا غورسیوں کے مذہب کے موافق اُن دونوں معجزوں میں زمین کا سکون۔ یا کسیقدر اُسکا الٹی حرکت کرنا ثابت ہو گا۔

افلاک کے نفی و اثبات کا سمٰوات پر کوئی اثر نہیں

اور میں جانتا ہوں کہ حضرات پادریوں انگلستان بپاس وطن اسی مذہب کو قبول فرمائیں گے۔ بطلیموسیوں کے مذہب کو یعنی حرکت افلاک و شمس و قمر و کواکب کو تسلیم نہ کرینگے۔ اور اگر دربارہ افلاک مخالفت کا ہونا باعث عدم قبول ہو تو اسکا یہ جواب ہے کہ حکمائے انگلستان کے موافق آسمانوں کے اثبات کی ضرورت نہیں گو اُن کے طور پر انکار بھی ضروری نہیں۔ اگر تمام کواکب کو آسمان سے دوری مانیے اور آفتاب مرکز عالم بر تجویز کیجیے اور آسمان سے

ذرے ذرے زمین وغیرہ کا اسکے گرداگرد متحرک ہونا تجویز کیجئے تو اُن کا کچھ نقصان نہیں نہ انکی رائے و مذہب میں خلل آسکتا ہے ؞۔

شق قمر خلاف طبیعت ہے اور سکون آفتاب حقیقت میں سکون زمین

بالجملہ بطور حکماء انگلستان اس معجزہ کا خلاصہ یہ نکلیگا کہ زمین کی حرکت مبدل بسکون ہوگئی یا اُس کی (مسلمہ) حرکت کے بدلے تھوڑی دور اُدھر کو حرکت ہوگئی مگر بوجہ قرب زمین اس بات میں اتنا تعجب نہیں جتنا انشقاق قمر میں تعجب ہے کیونکہ وہاں ایک تو یہ بات کہ لاکھوں کوس دور اتنی دور اوپر کی طرف تاثیر کا پہنچنا بہ نسبت اُسکی کہ اس چیز پر تاثیر ہو جائے جو اپنے زیر قدم ہو اور وہ بھی قدموں سے لگی ہو کہیں زیادہ ہے علاوہ بریں اس تاثیر اور اُس تاثیر میں فرق زمین و آسمان ہے۔ حرکت کا مبدل بسکون ہوجانا اتنا دشوار نہیں جتنا ایک جسم مضبوط کا پھٹ جانا کیونکہ ان اجسام کی حرکت اگر اختیاری ہے تو اختیار سے جیسے حرکت متصور ہے ایسی ہی سکون بھی متصور ہے اور اگر کسی دوسرے کی تحریک سے انکی حرکت ہے تو اس صورت میں سکون اُن کے حق میں اصل مقتضائے طبیعت ہوگا اس صورت میں سکون کا عارض ہو جانا کچھ انکی حق میں دشوار نہ ہوگا جو اسکی قبول سے انکار ہو۔ پر پھٹ جانا چونکہ خلاف طبیعت ہے دشوار ہوگا۔ ور چاند کو جاندار فرض کیجئے تو اور بھی اس کے حق میں مصیبت عظیم سمجھیئے۔ اس صورت میں بے شک انشقاق قمر سکون زمین سے کہیں اعلیٰ اور افضل ہوگا ؞۔

ہر قسم کی حرکت طبعی ہو یا قسری بلاشعور و ارادہ نہیں ہوسکتی

اس پر حرکت معکوس کو خیال کر لیجئے یعنی حرکت زمین اگر اختیاری ہے تب اسکو حرکت معکوس دشوار نہیں ہماری

حرکت چونکہ اختیاری ہے اسلئے جس طرف کو ہم چاہیں جا سکتے ہیں اور اگر حرکت زمین کسی
دوسری کی تحریک سے ہے تو اُسکی تحریک سے حرکت معکوس بھی ممکن ہے باقی ایسا محرک
تجویز کرنا جسکو ادراک و شعور نہ ہو اور اس سے سوا حرکت واحد یعنی ایک طرفی حرکت کی
دوسری حرکت صادر ہی نہو سکے۔ اور اسکا نام طبیعت رکھنا اُنھیں لوگوں کا کام ہے
جن کو ادراک و شعور نہ ہو کیونکہ حرکت بے اسکے متصور نہیں کہ ایک جہت اور ایک جانب
راجح اور معین ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بات بے ادراک و شعور ممکن نہیں سو اگر طبیعت
خود مرجح ہوتی ہے تب تو اُسی کا ادراک و شعور ثابت ہو گیا اس لئے وہ حرکت ارادی
ہو گئی اور اگر مرجح کسی اور کا ادراک و شعور ہے تو حرکت طبعی قسری یعنی دوسرے
کی تحریک سے ہو گئی اور حقیقت میں طبیعت کے یہی معنی ہیں۔ چنانچہ اس
لفظ کا عربی زبان میں بمعنی مفعول ہونا خود اس بات پر شاہد ہے۔
الحاصل سکون زمین ہو یا حرکت معکوس دونوں طرح انشقاق قمر کے برابر نہیں
ہو سکتی اسپر قرب و بعد فوقیت تحتیہ محل تاثیر کا فرق مزید برآں رہا۔

کسی کی استدعا قبول ہونی
اُس کی عظمت ہی پر موقوف نہیں

اور اگر فرض کیجئے حضرات نصرانی آفتاب ہی کو متحرک کہیں تب
بھی یہی بات ہے کہ سکون آفتاب یا حرکت معکوس آفتاب
ارادی ہو یا نہو دونوں طرح شق قمر سے مشکل نہیں۔ البتہ قرب و بعد محل تاثیر بظاہر یہاں
معکوس ہو گیا ہے کیونکہ آفتاب قمر سے دور ہے۔ مگر اول تو متحرکین بالاختیار کا بوجہ امر و
نہی و استدعا و التماس دور سے تھام لینا ممکن۔ آدمیوں اور جانوروں میں بسا اوقات
یہ ہوتا ہے کہ دور کی آواز پر تھم جاتے ہیں یا چلدیتے ہیں پر دور سے کسی جسم کا پھاڑ دینا

متصور نہیں۔ سوا آفتاب خود اپنے ارادہ سے متحرک ہوتب تو حضرت یوشعؑ کی استدعا کے بعد اُسکا ٹھہر جانا حضرت یوشعؑ کی تاثیر اور قوت پر دلالت نہ کریگا بلکہ اس بات پر دلالت کریگا کہ آفتاب نے انکی ایک بات مان لی سو کسی کا کسی بات کو مان لینا کچھ اُسکی عظمت ہی پر منحصر نہیں۔ خدا بندوں کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ تو کیا بندے اُس سے بڑھ گئے اور کافروں کی سن لیتا ہے تو کیا وہ کچھ خدا کے مقرب ہو گئے۔ علیٰ ہذا القیاس بسا اوقات امراء و سلاطین مساکین کی عرض معروض سُن لیتے ہیں تو کیا مساکین ان سے بڑھ جاتے ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ استدعا ہی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس بات کی استدعا کی جاتی ہے اس بات میں مستدعی کو کچھ مداخلت نہیں۔ زیادہ نہیں تو وقت استدعا ضرور ہی اُسکا بے دخل ہونا ثابت ہو گا *

آفتاب بارادہ خود متحرک ہے

اور اگر آفتاب کسی دوسرے کی تحریک سے متحرک ہے تو پھر اُسکا سکون محرک کے ہاتھ میں ہو گا۔ اور حضرت یوشعؑ کی استدعا گو بظاہر آفتاب سے ہو گی پر حقیقت میں اس محرک سے ہو گی۔ مگر ظاہر الفاظ حکایت اسی بات پر دلالت کرتی ہے کہ آفتاب سے استدعا تھی اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں آفتاب کا بہ ارادۂ خود متحرک ہونا ثابت ہو گا *

فلکیات میں خرق و التیام سکون و حرکت معکوس سے زیادہ دشوار ہے

علاوہ بریں بطور حکماء یونان زوال حرکت فلکیات محال نہیں۔ کیونکہ اُن کے نزدیک یہ حرکتیں دائمی ہیں ضروری نہیں اور ماہران منطق جانتے ہیں کہ مخالف ضرورت محال ہوتا ہے مخالف دوام محال نہیں ہوتا۔ اور خرق و التیام فلکیات یعنی افلاک و کواکب و شمس و قمر انکے نزدیک منجملہ محالات ہے اور فلکیات کا بجنسہ باقی رہنا ضروری۔ گو واقع میں وہ محال اور یہ ضروری نہ ہو

لیکن بہر حال اتنی بات تو معلوم ہوئی کہ خرق و التیام میں بہ نسبت سکون و حرکت معکوس زیادہ دشواری ہے جو ایسے ایسے عقلاء کو خیال امتناع و استحالہ ہو۔

انشقاق قمر کا معجزات داؤدی سے مقابلہ

اسکے بعد گذارش ہے کہ اس معجزہ کو پتھر و نکی نرم ہو جانے یا لوہے کے نرم ہو جانے سے ملایئے اور پھر فرمایئے کہ تفاوت آسمان و زمین ہے کہ نہیں۔

برکت صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ید بیضا کی خوبی میں کچھ کلام نہیں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض اصحاب کی چھڑی کے سر پر طفیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندھیری رات میں جب وہ آپکی خدمت سے رخصت ہونے لگے روشنی ہوگئی وہ جانیوالے دو شخص تھے جہاں سے راہ جدا ہوا وہاں سے وہ روشنی دونوں کے ساتھ ہوئی۔ اب خیال فرمایئے دست مبارک موسیٰ علیہ السلام اگر جیب میں ڈالنے کے بعد بوجہ قرب قلب منور روشن ہوا تھا تو اول تو وہ نبی دوسرے نور قلب کا قرب و جوار۔ جیسے بوجہ قرب ارواح اجسام میں انکی مناسب حیات آجاتی ہے ایسے ہی بوجہ قرب نور قلب دست موسوی میں اسکی مناسب نور آجائے تو کیا دور ہے۔ یہاں تو وہ دونوں صاحب نبی تھے نہ انکی لکڑی کو قلب سے قرب و جوار نہ اخذ وقبل میں وہ قابلیت جو بدن میں بہ نسبت روح ہوتی ہے۔ فقط برکت صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی۔

برکت صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا اثر

اور سنئے آتش نمرود نے اگر جسم مبارک حضرت ابراہیم کو نہ جلایا تو اتنا تعجب انگیز نہیں جتنا اس دسترخوان کا آگ میں نہ جلنا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس بطور تبرک نبوی تھا۔ اور وہ بھی ایک بار نہیں بارہا اس قسم کا اتفاق ہوا۔ کہ جہاں میل چکناٹ زیادہ ہو گیا جبھی آگ میں ڈالدیا اور جب میل چکنائی

جلگیا جیب ہی نکال لیا۔ یہ قصہ مثنوی مولانا روم میں مذکور ہی اور۔ اور حکایتیں اور کتابوں میں مذکور ہیں مگر خیال فرمائی کہ ایک تو نہ آدمی کا جلنا اتنا موجب تعجب نہیں جتنا کھجور کی پھونکی دستر خوان کا۔ اور وہ بھی ایسا جس پر عجب نہیں چکناٹ بھی ہوتا ہو۔ دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دستر خوان میں زمین آسمان کا فرق وہ خود نبی اور نبی بھی کیسے خلیل اللہ اور وہاں دستر خوان میں فقط اتنی بات کہ گو بیگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھا گیا ہو اور آپنے اس پر کھانا کھایا ہو۔

معجزات قرآنیہ کا ثبوت اعلےٰ درجہ کا ہے۔

الحاصل معجزات عملی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سب میں فائق ہیں اور پھر وہ معجزات جو قرآن میں موجود ہیں انکا ثبوت تو ایسا یقینی کہ کوئی تاریخی بات اسکے ہم پلہ نہیں ہو سکتی کیونکہ کوئی کتاب سوائے قرآن مجید عالم میں ایسی نہیں کہ اسکا لفظ لفظ متواتر ہو۔ اور لاکھوں آدمی اسکی حافظ ہوں۔ بلکہ کسی کتاب کا ایک دو حافظ بھی عالم میں شاید نہ ہو:۔

معجزات حدیثیہ کا ثبوت توریت و انجیل سے کم نہیں

سوا اسکے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات میں تو توریت و انجیل کے ساتھ مساوی ہیں کیونکہ یہود و نصاریٰ بھی اپنی کتابوں کی نسبت اس بات کی قائل ہیں کہ مضامین الہامی اور الفاظ الہامی نہیں اہل اسلام بھی اس بات کے قائل کہ مضامین احادیث وحی سے متعلق ہیں پر الفاظ وحی میں نہیں آتے چنانچہ اسی وجہ سے قرآن وحدیث کو باہم ممتاز سمجھتے ہیں:۔

اور قرآن شریف کو جو نماز میں پڑھتے ہیں اور احادیث کو نہیں پڑھتے تو اسکی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ وقت گویا ہم کلامی خدا ہے اس وقت وہی الفاظ

چاہئیں جو خدا کے یہاں سے آئی ہیں۔ زیادہ فرصت نہیں اور نہ زیادہ گنجائش ورنہ اس مضمون
کو انشاءاللہ واشگاف کر کے دکھلادیتا مگر باوجود اس تساوی کے یہ فرق ہی کہ اہل اسلام
کے پاس احادیث کی سندیں من اولہٗ الی اخرہ موجود ہیں زمانہ سے لیکر اوپر تک تمام
راویوں کا سلسلہ بتا سکتے ہیں اور ظاہر ہی کہ یہ بات کس قدر موجب اعتبار ہی۔ علاوہ
ازیں جس زمانہ تک احادیث متواتر تھیں اُس زمانہ تک کے راویوں کے احوال مفصل بتلا سکتے
ہیں کیونکہ اس علم میں کثرت سے کتابیں موجود ہیں ہاں ایک دو روایت شاید ایسی بھی ہوگی کہ
مثل توریت و انجیل انکی سند کا آجکل پتہ نہ نکلے۔ مگر جب حضرات نصاریٰ اسی مقابلے
تو پھر اُن روایات کے پیش کرنے میں کیا حرج۔ اس کے بعد اہل انصاف کو تو مجال دم
زدن نہیں ؛۔

اہل کتاب کی بے انصافی

یہ کیا انصاف ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور حضرت
موسیٰ علیہ السلام کے معجزات تو اُن روایات کے بھروسہ تسلیم کرلئے جائیں اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات باوجودیکہ ایسی ایسی روایات متصلہ ہوں تسلیم نہ کئے جاویں
اور پھر تماشہ یہ ہی کہ ایسی بے معنی حجتیں کیجاتی ہیں کہ کیا کہئے ؛۔

معجزات کا قرآن میں ذکر ہے یا نہ اُس کی تحقیق

کوئی صاحب فرماتے ہیں یہ معجزے قرآن میں مذکور نہیں مگر اول
تو کوئی پوچھے کہ قرآن میں مذکور ہونا جو تسلیم کیلئے ضروری ہی
تو یہ ضرورت بشہادت عقل ہی یا بشہادت نقل۔ عجب اندھیر ہی کہ تاریخوں کی باتیں تو
جن کے مصنف اکثر سنی سنائی لکھتے ہیں اور راویوں کی کچھ تحقیق نہیں کرتے اور پھر آج
اُن تاریخوں کی کوئی سند مصنف تک نہیں ملتی حضرات نصاریٰ کے دل میں نقش کالحجر ہو جائیں

اور نہ مانیں تو احادیث محمدیؐ کو نہ مانیں ۔

بعض معجزات قرآنیہ کا ذکر۔

علاوہ بریں اگر یہ مطلب ہے کہ کوئی معجزہ قرآن میں مذکور نہیں تو یہ از قسم دروغ گویم بر روئے تو ہے شق قمر اور کثرت سے پیشین گوئی جن میں سے اسلام میں خلفاء کا ہونا اور فارس سے لڑائی کا ہونا ۔ اور روم کا مغلوب ہونا ۔ اور سوائے اُن کے اور موجود ہیں ۔

ایمان کے لئے ایک معجزہ کافی ہے۔

اور اگر یہ مطلب ہے کہ سارے معجزے قرآن میں موجود نہیں تو ہماری یہ گذارش ہے کہ ایمان کیلئے ایک بھی کافی ہے ۔

مدار قبول صحت سند پر ہے خدا کے نام لگ جانے پر۔

علاوہ بریں مدار کار قبول روایت سند پر ہے خدا کی نام لگ جانے پر نہیں ورنہ لازم یوں ہے کہ حضرات نصاریٰ سوا اُن چار انجیلوں کی جتنی انجیلیں کہ اب مردود غلط سمجھتے ہیں اُن سب کو واجب التسلیم سمجھیں ۔ اور جب مدار کار روایت سند پر ہو تو پھر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واجب التسلیم ہونگی اور توریت و انجیل واجب الانکار ۔

اور سنیے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں معجزوں کو دکھلانے سے انکار ہے یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ایسا انکار ہے جیسا انجیل میں انکار ہے ۔

شق قمر کے تاریخی ثبوت کی تحقیق

کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر انشقاق قمر ہوا ہوتا تو ساری جہان میں شور پڑ جاتا ۔ تاریخوں میں لکھا جاتا ۔ اول تو یہی ایک معجزہ نہیں جسکی عدم ثبوت سے کچھ خلل واقع ہو ۔ علاوہ بریں یہ خیال نہیں فرماتے کہ اگر ایسے وقائع میں شور عالمگیر کا ہونا لازم ہی ہو اور تاریخوں میں لکھا جانا ضروری ہی تو اس اندھیر کا کونسی تاریخ میں ذکر اور

کہاں کہاں شور ہی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سولی دینے کے دن واقع ہوا تھا اور اس ستارہ کا کون کونسی کتاب میں ذکر ہی اور کہاں کہاں شور ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے تولد کے دنوں میں نمایاں ہوا تھا اور آفتاب کے پہر بھر تک ساکن رہنے کا کہاں کہاں چرچا ہے اور کون کون سی کتاب میں مذکور ہی۔ علیٰ ہذا القیاس اور وقائع کو خیال فرمایئے۔

علاوہ بریں دن کے واقعات اور رات کے حوادث میں عموم اطلاع کی باب میں زمین آسمان کا فرق ہی۔ خاصکر اندھیری رات کا ہو جانا کہ اسکی اطلاع تو ہر کس و ناکس کو ضرور ہے انشقاق قمر کی اطلاع تو سوا ان صاحبوں کی ضروری نہیں کہ اسوقت بیدار بھی ہوں اور پھر نگاہ بھی انکی چاندہی کیطرف ہو اور ظاہر ہی کہ یہ بات شب کے وقت بہت کم اتفاق میں آتی ہی کہ بیدار بھی ہوں اور نگاہ بھی ادھر ہو اور اگر فرض کیجئے کہ موسم سرما ہو تو یہ بات اور بھی مستبعد ہو جاتی ہے۔

علاوہ بریں طلوع قمر کے تھوڑی دیر کے بعد یہ قصہ واقع ہوا۔ اسلئے جبل حرا کے دونوں ٹکڑوں کے بیچ میں حائل ہو جانیکا مذکور ہے اس صورت میں ممالک مغرب میں تو اس وقت تک عجب نہیں طلوع بھی نہ ہوا ہو۔ اور بعض بعض مواقع میں عجب نہیں کہ ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کی آڑ میں آگیا ہو۔ اور اسلئے انشقاق قمر اس جا پر محسوس نہ ہوا ہو۔ ہاں ہندوستان میں اس وقت ارتفاع قمر البتہ زیادہ ہوگا اور اس لئے وہاں اور جگہ کی نسبت اسکی اطلاع کا زیادہ احتمال ہی مگر جیسے اسوقت ہندوستان میں ارتفاع قمر زیادہ ہوگا ویسا ہی اسوقت رات بھی آدھی ہو گی اور ظاہر ہی کہ اسوقت کون جاگتا ہوتا ہے۔

سوا اسکے ہندوستانیوں کو قدیم سے اسطرف توجہ ہی نہیں کہ تاریخ لکھا کریں۔ باینہمہ

تاریخوں میں موجود ہیکہ یہاں کا ایک راجہ ذاتی بات یہ واقعہ بچشم خود دیکھا ہی اس سے زیادہ کیا عرض کیجئے اہل انصاف کو یہ بھی کافی ہی اور ناانصاف لوگ عذاب آخرت ہی کی بعد تسلیم کریں تو کریں۔

خاتمہ۔ حلت گوشت

مگر ہاں حضرات ہنود کی دل میں شاید ہنوز یہ خدشہ حلت گوشت کا کھٹکا ہو اور یہ خیال ہو کہ گوشت کیلئے جانوروں کا ذبح کرنا سراسر ظلم ہی ایک جان کیلئے اس قدر جانیں تلف کرنی کیونکر جائز ہو سکتی ہیں۔ بانیہمہ تلف بھی کاہے کیلئے کرتے ہیں ایک ذرا سی لذت کیلئے۔ یہ بھی نہیں کہ مدار زندگانی انسان حیوانات کے گوشت پر ہو۔

تحلیل لحم ظلم نہیں

اس لئے یہ گذارش ہی کہ ہم اگر بطور خود بے اجازت خداوندی جانوروں کو ذرا بھی ستائیں تو بیشک ظلم ہو مگر اسکو خیال فرمائیے کہ ہم باجازت مالک الملک اُن کو حلال جانتے ہیں اُسکی اجازت کی بعد بھی جانور حلال نہ ہوں تو اسکے یہ معنی ہیں کہ خداوند عالم کو جانوروں کا اختیار نہیں۔ حیوانات اُسکی مملوک نہیں مگر تمھیں کہو کتنا بڑا ظلم ہے کہ مالک کو اپنی چیز کا اختیار نہ ہو۔ تماشا ہے کہ جانوروں کا ذبح کرنا تو ظلم ہو۔ اور خدا تعالی کی اجازت کی ممانعت ظلم نہو۔ پھر اس پر نہ معلوم سواری اور باربرداری اور دودھ کا پینا کون سے استحقاق پر مبنی ہے۔

گوشت کھانا انسان اور حیوان دونوں کے لئے مناسب ہے

اور اگر یہ خیال ہی کہ خدا کو تو اختیار ہی پر انسان کے واسطے انکا حلال ہونا مناسب تھا۔ تو اسکا اول تو یہ جواب ہے کہ مناسب اگر اسکو کہتی ہیں کہ موافق اپنے استحقاق کے کام کیجئے تو کوئی صاحب فرمائیں تو سہی کہ وہ ایسی کونسی چیز ہے کہ خدا کو اُس پر استحقاق نہیں۔ اور ایسا کونسا استحقاق ہے جو خدا کو اپنی مخلوقات پر حاصل نہیں۔ اور اگر مناسب اسکو کہتی ہیں کہ جیسی آئینہ اور پتھر

میں فرق قابلیت ہی اور اس لئے آئینہ کو آفتاب زیادہ نور عطا کرتا ہی اور پتھر کو کم اور بوجہ
فرق قابلیت یہی مناسب ہے، اُسکی مخالفت ہو تو نامناسب ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ بیشک
انسان اس بات کا مستحق ہی کہ اسکے لئے یہ چیزیں حلال ہوں۔ کہنہ مکان کو اگر گرا کر
دوسرا اپنا عمدہ مکان بنائیں تو اسکو کوئی شخص بایں معنی نامناسب نہیں کہسکتا کہ پکا
عمدہ مکان بنانیکے قابل نہیں۔ ایسی ہی اگر حیوانات کو ذبح کر کے اسکے گوشت سے
بدن انسانی بنایا جائے تو عین صواب ہے۔ غرض بُری چیز کو توڑ پھوڑ کر عمدہ چیز کا بنانا نامناسب
ہی نہیں بلکہ عین مناسب ہے، انسان کیلئے تو یوں مناسب کہ اور غذائیں مادۂ بعید
اور گوشت مادۂ قریب ہے اور اسلئے گوشت سے کامل گوشت پیدا ہو تو عجب نہیں کیونکہ
فضلات کے اندفاع کے بعد اور بھی صفائی کی امید ہی اور حیوانات کے حق میں یوں مناسب
کہ پہلے اس گوشت سے قوام جسم حیوانی تھا اب قوام جسم انسانی میسر آیا جس کا
یہ حاصل نکلا کہ پہلے آلہ و مرکب روح ادون تھا۔ اب آلہ و مرکب روح اعلیٰ ہو گیا! او
ظاہر ہے کہ ترقی مدارج حسن ہرگز قابل گرفت نہیں ۔۔

گوشت کھانا انسان کے لئے طبعی ہی | علاوہ بریں انسان کو مثل شیر و چیتا و بھیڑیا وغیرہ
کچلیوں کا عطا کرنا خود اس جانب مشیر ہے کہ اسکی غذا اصلی گوشت ہے۔ اور اہل عقل کے
نزدیک یہ بات کم از اجازت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جتنی چیزیں دی گئیں ہیں کسی نہ کسی
کام کیلئے دی گئیں ہیں آنکھ کان جیسے دیکھنے سننے کیلئے ہیں اور اس لئے دیکھنے سننے
کی اجازت ہوئی۔ ایسے ہی کچلیوں کو بھی خیال فرما لیجئے ۔۔

حلت گوشت میں جانوروں کی تفریق | ہاں یہ بات مسلم کہ سارے حیوانات یکساں نہیں

ہر کسی کے گوشت میں جداگانہ تاثیر ہے جس جانور کا گوشت مفید ہو گا وہی جائز ہو گا جس جانور کا گوشت مضر ہو گا بقدر مضرت ناجائز ہو گا کیونکہ خداوند کریم کے امر و نہی و اجازت و ممانعت آدمی کے نفع و نقصان کے لحاظ سے ہے اپنے نفع و نقصان کے لحاظ سے نہیں اس لئے سؤر و شیر وغیرہ درندوں کا گوشت قابل ممانعت ہے کیونکہ سؤر تو سراپا نجس دوسرے بے حیا اسکی مادہ پر جس کا جی چاہے جبت کرے اُسکو کچھ پروا نہیں۔ اس لئے وہ قابل حرمت نظر آیا تاکہ اس کے کھانے سے بے حیائی نہ چھا جائے اور دل و جان ناپاک نہ ہو جائیں جس سے خیالات ناپاک پیدا ہوں اور شیر وغیرہ جانوران درندہ بوجہ بداخلاقی قابل ممانعت تھی۔ تاکہ انکی کھانے کی تاثیر سے مزاج میں بدخلقی نہ پیدا ہو جائے۔ کیونکہ جیسے گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا ہوتی ہے ایسے ہی اخلاق و کیفیات و خواص انواع حیوانات کو خیال فرما لیجئے۔ **تمّت**

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری زندگی اور پاکیزہ عادتیں

یعنی

تاریخ الاسلام

(سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اردو

یہ سلسلہ بچوں کی تعلیم کے لئے تصنیف کیا گیا ہے اس کے پہلے حصہ میں حضرت سرور کائنات صلعم کی مکی زندگی کے پورے حالات کو نہایت عام فہم الفاظ میں سوال وجواب کی صورت میں تحریر فرمایا ہے اور دوسرے حصہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی سے لیکر وفات تک کے حالات مع غزوات، اور تیسرے حصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک مقدس اخلاق معاشرتی اور اقتصادی تعلقات یومیہ نظام الاوقات (پروگرام، مجالس مقدسہ کے آداب واطوار خانگی سامان ترکہ وغیرہ نہایت ہی دل کش اور مستند طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد اسلام کے سچے رنگ میں رنگی جائے تو ضروری ہے کہ سلسلہ تاریخ الاسلام کے تمام حصوں کا مطالعہ آپ خود بھی فرمالیں اور اپنے عزیز بچوں اور بچیوں کو بھی کرادیں اور کم از کم ایک ایک نسخہ حرز جان بنا کر اپنے گھر میں رکھیں، یہ سلسلہ مدرسہ دار العلوم دیوبند اور بہت سے مدارس میں داخل درس ہو چکا ہے:۔

اعلان

ہر قسم کی درسی وغیر درسی، عربی فارسی، اردو کتابیں اور اعلیٰ درجہ کے کلام مجید وحمائلیں ہمارے یہاں سے خرید فرمائیے۔

ملنے کا پتہ

منیجر کتب خانہ اعزازیہ

دیوبند ضلع سہارنپور

یوپی

قیمت:۔ حصہ اول (۶ر) حصہ دوم (۱۲ر) حصہ سوم (۶ر)

ملنے کا پتہ:۔ (مولوی) **سید احمد مالک کتبخانہ اعزازیہ دیوبند**۔ (یوپی)

(مطبوعہ انصاری پریس دہلی)